بینک کا سود حلال ہے؟

شبہات-ازالہ

تالیف

مولانا مشتاق احمد کریمی

فاضل جامعہ سلفیہ بنارس

صدر و بانی الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار

ناشر

الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار (انڈیا)

پوسٹ بکس نمبر (۲۲) ضلع: کٹیہار، پن: ۸۵۴۱۰۵، ٹیلیفون: ۲۳۴۹۳۲، فیکس: ۲۲۵۸۹۶

سلسلہ مطبوعات الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار (۱۲)

نام کتاب : بینک کا سود حلال ہے؟ شبہات-ازالہ

مولف : مولانا مشتاق احمد کریمی

صفحات : ۱۲۴ تعداد : ۱۱۰۰

تقسیم کار : معہد حفصہ بنت عمر حاجی پور، کٹیہار ۸۵۴۱۰۵

پروڈکشن : الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار، فون ۲۲۵۸۹۶

طابع : المؤلف وساهم فی طبعه بعض المحسنين جزاه الله خيراً

بار سوم اردو: ۲۰۰۵ء قیمت : ۳۰ روپئے

ملنے کے پتے:

۱۔ معہد حفصہ بنت عمر حاجی پور، کٹیہار، بہار ۔ ۸۵۴۱۰۵

۲۔ اپنا کتب خانہ، ایم جی روڈ کٹیہار، بہار ۔ ۸۵۴۱۰۵

۳۔ جنرل کتاب گھر، ایم جی روڈ کٹیہار، بہار۔ ۸۵۴۱۰۵

۴۔ مکتبہ ترجمان، مرکزی جمعیت اہل حدیث ۴۱۱۶، جامع مسجد دہلی ۔۱۱۰۰۰۶

۵۔مکتبہ جامعہ ابن تیمیہ، مسجد کالے خان، دریا گنج، نئی دہلی ۔

۶۔مکتبہ ریاض العلوم ۴۰۸۵، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۔۱۱۰۰۰۶

۷۔حلیم بکڈ پو، حوض سوئیوالان، دریا گنج، نئی دہلی -۱۱۰۰۰۲

۸۔مکتبہ جامعہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، وارانسی، یوپی -۲۲۱۰۱۰

۹۔دارالکتب السلفیۃ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی -۱۱۰۰۰۶۔

۱۰۔الکتاب انٹرنیشنل، مرادی روڈ، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دستورِ الٰہی سے

﴿ اَلَّذِینَ یَاکُلُونَ الرِّبَا لَایَقُومُونَ إِلَّا کَمَا یَقُومُ الَّذِی یَتَخَبَّطُهُ الشَّیطَانُ مِنَ المَسِّ، ذٰلِکَ بِاَنَّهُم قَالُوا إِنَّمَا البَیعُ مِثلُ الرِّبَاوَاَحَلَّ اللّٰهُ البَیعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا، فَمَن جَاءَ هُ مَوعِظَةٌ مِن رَبِّهِ فَانتَهیٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَاَمرُهُ إِلیٰ اللّٰهِ، وَمَن عَادَ فَاُولٰئِکَ اَصحَابُ النَّارِ هُم فِیهَا خَالِدُونَ ، یَمحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَیُربِی الصَّدَقَاتِ وَاللّٰهُ لاَ یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیمٍ .... یَا اَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبَا إِن کُنتُم مُؤمِنِینَ ، فَإِن لَم تَفعَلُوا فَاذَنُوا بِحَربٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَإِن تُبتُم فَلَکُم رُؤوسُ اَموَالِکُم ، لَا تَظلِمُونَ وَلاَ تُظلَمُونَ﴾ (البقرہ:۲۷۵-۲۷۹)۔

’’سود خور لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھوکر خبطی بنادے۔ یہ اس لئے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام، جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نصیحت سن کر رک گیا اس کے لئے وہ ہے جو گزرا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، اور جو پھر دوبارہ (حرام کی طرف) لوٹا وہ جہنمی ہے، ایسے لوگ ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور گنہگار سے محبت نہیں کرتا۔............ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو، اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ، ہاں! اگر توبہ کرلو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے‘‘۔

دستورِ نبوی سے

﴿عَن جَابِرٍ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ آکِلَ الرِّبَا وَمُؤکِلَهُ وَکَاتِبَهُ وَشَاهِدَیهِ، وَقَالَ: هُم سَوَاءٌ﴾ (مسلم باب لعن آکل الربا، حدیث نمبر ۱۵۹۷)۔

’’محمد رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سود دینے والے، اسے لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والے، سب پر برابر کی لعنت بھیجی ہے‘‘۔

مقدمہ طبع ثالث

اَلحَمدُ لِلّٰهِ وَ کَفیٰ وَسَلامٌ عَلیٰ عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفیٰ ، اَمَّا بَعدُ:

یہ کتاب **''بینک کا سود حلال ہے؟ شبہات - ازالہ''** گرچہ اردو زبان میں لکھی گئی تھی ، مگر بعض ناگزیر حالت اور اشد حاجت وضرورت کے پیش نظر برادرم مولانا عبدالحمید مدنی صاحب سے بنگالی زبان میں ترجمہ کروا کر پہلی بار ہندوستان میں **''الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی''** کٹیہار، بہار کی طرف سے (۱۱۰۰) گیارہ سو کی تعداد میں شائع کی گئی تھی ، اور پھر دوبارہ مکتب تعاونی برائے غیر ملکی حضرات ، مجمعہ ، سعودی عرب (المكتب التعاونی للدعوة و توعية الجاليات بالمجمعة) کی طرف سے (۱۰۰۰۰) دس ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی اور جسے خاص وعام میں زبردست مقبولیت و پزیرائی حاصل ہوئی تھی ۔ اس کے لئے ہم بارگاہ الٰہی میں جتنا زیادہ سجدۂ شکر و امتنان بجالائیں کم ہے کہ سب کچھ اسی کے فضل واحسان کا نتیجہ ہے کہ بندۂ عاجز سے ایک نیک کام ہو گیا ۔ فَلِلّٰهِ الحَمدُ وَالمِنَّةُ ۔

اسی سے تحریک پا کر اب سہ بارہ اور اردو زبان میں پہلی بار **''الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی''** کٹیہار، بہار کچھ ضروری اضافہ ، تہذیب اور تنقیح کے ساتھ اسے زیور طباعت سے مزین کر کے طلبہ ، اہل علم ، ریسرچ اسکالر اور ہر خاص وعام کی خدمت میں پیش کر رہی ہے ۔ بندۂ عاجز کو ان کے نیک مشورے ، صحیح آراء و نقطہ ہائے نظر کا انتظار ہے ، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس سے استفادہ کیا جاسکے ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اسے بھی وہی پزیرائی حاصل ہوگی جو بنگالی زبان کو حاصل ہو چکی ہے ۔

اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ دعا ہے کہ اسے ہمارے لئے آخرت کی نجات اور سعادت و کامرانی کا ذریعہ بنائے اور اسے عام مسلمانوں کی ہدایت و رہنمائی کا سامان بنائے ۔ رَبَّنَا لَا تَجعَلنَا فِتنَةً لِلَّذِینَ آمَنُوا ، رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُفٌ رَحِیمٌ ۔ آپ کی دعاؤں کا محتاج

مشتاق احمد کریمی

مورخہ ۲۸/۱۲/۲۰۰۴ صدر الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار

فہرست مضامین کتاب

مقدمہ

إنَّ الحَمدَ لِلّٰهِ ، نَحمَدُهُ وَنَستَعِينُهُ وَنَستَغفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِن شُرُورِ اَنفُسِنَا وَمِن سَيِّئَاتِ اَعمَالِنَا، مَن يَهدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ وَمَن يُضلِل فَلاَ هَادِىَ لَهُ، وَاَشهَدُ اَن لاَ إلٰهَ إلَّا اللّٰهُ وَحدَهُ لاَشَرِيكَ لَهُ وَاَشهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبدُهُ وَرَسُولُهُ، اَمَّا بَعدُ:

اسلام ایک آفاقی وعالمگیر مذہب ہے، اس کے احکام منصفانہ وعادلانہ ہیں۔ اسلام امن وآشتی اور خیر سگالی کا مذہب ہے۔ اسلام باہمی اخوت، میل ومحبت، ہمدردی وغمگساری کا دین ہے۔ اسلام ترقی، سیر چشمی اور رواداری کا دین اور احکام میں سہولت وآسانی کا قائل ہے۔ حرج وتنگی، قید وبند اور مشقت وپریشانی کا نام اسلام نہیں ہے۔ تہذیب وتمدن کے کسی گوشہ کو اسلام اپنے ماننے والوں کے عقلوں پر بند نہیں کرتا۔ جائز تجارت اور سرمایہ کاری کے صحیح راستوں پر پہرے نہیں بٹھاتا، نہ ہی صنعت وحرفت اور کاشتکاری وزراعت میں نمایاں کارگزاری اور امتیاز حاصل کرنے سے منع کرتا ہے، بلکہ ان کاموں کو اسلام کی کامیابی کا زینہ اور خیر وفلاح پانے کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اسلام سچے اور امانت دار تاجر کی کھل کر حوصلہ افزائی کرتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ سب سے بہتر کمائی آدمی کے اپنے ہاتھ کی کمائی ہے۔

مگر دور حاضر میں کمائی کی نت نئی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں اور اس کے لئے مختلف تجارتی ادارے، کمپنیاں اور بینک قائم کئے گئے ہیں جو آج سارے مالیاتی نظام پر قابض ومتصرف ہیں۔ ان اداروں کے کاروبار اور طریق کار سے واقفیت حاصل کرنا نہایت ضروری ہوگیا ہے۔ فقہاء نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے: "**مَن جَهِلَ بِاَهلِ زَمَانِهِ فَهُوَ جَاهِلٌ**" (شرح عقود رسم المفتی ص ۹۸)۔ "جو آدمی اپنے اہلِ زمانہ سے واقف نہ ہو یعنی اہلِ زمانہ کے طرز زندگی، ان کی

معاشرت، ان کے معاشی معاملات اوران کے مزاج ومذاق سے نابلد ہو، تو وہ جاہل ہے''۔

ایک عالم کے لئے جس طرح قرآن وسنت کے احکام سے واقف ہونا ضروری ہے، اسی طرح اس کے لئے زمانہ کے ''عرف'' اور زمانہ کے حالات سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر وہ شرعی مسائل میں صحیح نتائج تک نہیں پہنچ سکتا۔ فقہاء احناف میں امام محمد رحمہ اللہ فقہ کی تدوین کے دوران باقاعدہ بازاروں میں جا کر تاجروں کے پاس بیٹھتے، ان کے معاملات کو سمجھتے اور یہ دیکھا کرتے تھے کہ کون سے طریقے بازار میں رائج ہیں۔ اس لئے کہ ایک عالم بالخصوص مفتی کے فرائض میں ان چیزوں سے واقفیت داخل ہے کہ جب ان کے بارے میں اس کے پاس سوال آئے تو وہ اس سوال کے پس منظر سے اچھی طرح واقف ہو۔ اس کے بغیر وہ صحیح نتائج تک نہیں پہنچ سکتا، بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ جب کسی معاشرہ میں ناجائز کاروبار ہورہا ہو، تو عالم یا مفتی کا کام صرف اس حد پر جا کر ختم نہیں ہوجاتا کہ وہ صرف اتنا کہہ دے کہ فلاں کام ناجائز وحرام ہے، بلکہ بحیثیت داعی اس کے فرائض میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اس کام کو ناجائز بتانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتائے کہ اس کا متبادل حلال طریقہ کیا ہے؟ اور وہ متبادل قابل عمل بھی ہونا چاہئے اور شریعت کے موافق ومطابق بھی۔ یوسف علیہ السلام سے جب خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو انہوں نے خواب کی تعبیر تو بعد میں بتائی کہ سات سال کا قحط آنے والا ہے، لیکن اس قحط سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ وراستہ پہلے بتادیا، فرمایا: ﴿**تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَباً فَمَا حَصَدتُّم فَذَرُوهُ فِي سُنبُلِهِ إِلَّا قَلِيلاً مِّمَّا تَأْكُلُونَ**﴾ (یوسف: ۴۷) ''تم سات سال تک پے در پے لگاتار حسب عادت غلہ بویا کرنا، اور فصل کاٹ کر اسے بالیوں سمیت ہی رہنے دینا، سوائے اپنے کھانے کی تھوڑی سی مقدار کے''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ داعیٔ حق صرف حرام کام کو حرام بتادینے پر اکتفا نہ کرے، بلکہ

اپنے امکان کی حد تک اس سے نکلنے اور بچنے کا راستہ بھی بتائے۔ اور یہ راستہ اسی وقت بتایا جا سکتا ہے جب آدمی معاملات اور حقائق سے واقف ہو۔ اس کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا گیا کہ ان تمام جدید معیشت اور تجارت کے بارے میں پوری معلومات فراہم کی جائے جن کی ایک عالم کو تحقیق مسائل کے وقت ضرورت پیش آتی ہے۔

چونکہ بینک اور دیگر مالیاتی اداروں اور کمپنیوں کی بنیاد ہی سرمایہ دارانہ نظام اور سود پر قائم ہے، اس لئے سود کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے، مثلاً ایک سرمایہ دار نے کسی کاروبار میں اپنی جیب سے صرف دس لاکھ روپئے لگائے اور نوے لاکھ روپئے بینک سے قرض لے لئے۔ اور اس طرح ایک کروڑ روپئے سے تجارت شروع کی۔ فرض کیجئے کہ کاروبار میں پچاس فیصد کا سالانہ نفع ہوا اور ایک کروڑ روپئے کے اب ڈیڑھ کروڑ بن گئے۔ یہ سرمایہ دار پچاس لاکھ کے نفع سے صرف پندرہ لاکھ روپئے بطور سود بینک کو دے گا اور جس میں سے بینک اپنا نفع رکھ کر بمشکل دس یا بارہ لاکھ روپئے ان ہزاروں اکاؤنٹ ہولڈروں میں تقسیم کرے گا جن کی امانتیں اس کے پاس جمع ہیں، جس کا خالص نتیجہ یہی ہے کہ اس کاروبار میں جن ہزاروں افراد نے نوے لاکھ روپئے کا سرمایہ لگایا تھا اور انہی کے سرمائے نے درحقیقت اتنے بھاری نفع کو ممکن بنایا، ان میں تو کل دس بارہ لاکھ روپئے تقسیم ہوئے اور جس سرمایہ دار نے کل دس لاکھ روپئے کی سرمایہ کاری کی تھی، اسے کاروبار کے نفع کی صورت میں پینتیس لاکھ روپئے ملے۔ پھر دل چسپ بات یہ ہے کہ یہ پندرہ لاکھ روپئے جو بینک کو دیئے گئے اور بینک کے واسطے سے عوام تک پہنچے، ان کو سرمایہ دار اپنی مصنوعات کی لاگت میں شامل کر لیتا ہے، جو بالآخر اس کی جیب پر نہیں پڑتے بلکہ عام صارفین کی جیب پر پڑتے ہیں۔ کیونکہ اس کاروبار میں اس نے جو مصنوعات تیار کیں، ان کی قیمت متعین کرتے وقت بینک کو دیئے گئے سود کی رقم بھی قیمت میں

شامل کر لی جاتی ہے، اور اس طرح درحقیقت اس کی اپنی جیب سے کچھ بھی خرچ نہیں ہوا۔ اور اگر کاروبار میں کسی آسمانی آفت یا کسی حادثہ کی وجہ سے نقصان ہونے لگے تو اس نقصان کی تلافی انشورنس کمپنی کے ذریعہ کر لی جاتی ہے۔ اور اس انشورنس کمپنی میں بھی ان ہزار ہا عوام کا سرمایہ جمع رہتا ہے جو حسب اتفاق ماہ بماہ یا سال بسال اپنی کمائی کا ایک حصہ یہاں جمع کراتے رہتے ہیں، لیکن نہ ان کے کسی تجارتی مرکز کو آگ لگتی ہے اور نہ کوئی حادثہ پیش آتا ہے۔ اس لئے عموماً پیسے جمع ہی کراتے ہیں نکلوانے کی نوبت کم ہی آتی ہے۔

دوسری طرف اس قسم کے بہت سے سرمایہ دار اگر کسی بھاری نقصان کے سبب بینک کو قرضے واپس نہ کر سکیں اور اس کے نتیجہ میں بینک کا دیوالیہ ہو جائے، تو اس صورت میں ان سرمایہ داروں کی تو بہت کم رقم گئی، نقصان تو ان سارے امانت داروں کا ہوا جن کے پیسے کے بل بوتے پر سرمایہ دار کاروبار کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ سود کے اس نظام کی وجہ سے پوری قوم کے سرمائے کو چند بڑے سرمایہ دار اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اس کے بدلہ میں قوم کو بہت تھوڑا سا حصہ واپس کرتے ہیں اور یہ تھوڑا حصہ بھی اشیاء کی لاگت میں شامل کر کے دوبارہ عام صارفین عوام سے ہی وصول کر لیتے ہیں اور اپنے نقصان کی تلافی بھی عوام کی بچتوں سے کرتے ہیں۔ اس طرح سود کا مجموعی رخ اس طرف رہتا ہے کہ عوام کی بچتوں کا کاروباری فائدہ زیادہ تر بڑے سرمایہ داروں کو پہنچے اور عوام اس سے کم سے کم مستفید ہوں۔ اس طرح دولت کے بہاؤ کا رخ ہمیشہ سرمایہ داروں کی طرف ہی رہتا ہے۔

یہ سب نتائج دیکھ لینے کے بعد بھی ہمارے یہاں یہ کوشش کی جارہی ہے کہ بینک کے سود کو جائز قرار دیا جائے۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ بینک کے سود کو جائز قرار دینے کے بجائے خود

بینک کو اسلامائز یعنی بینک کے طریق کار کو اسلامی قانون کے مطابق ڈھالا جاتا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی اور دنیا کو یہ بتایا جاتا کہ اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے سے یہ اور یہ ثمرات وفوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اور دنیا کو باور کرایا جاتا کہ اسلامی احکام وقوانین پر عمل ہی کے ذریعہ انسانیت اپنی سعادت وکامرانی کے راستہ پر گامزن ہوسکتی ہے۔ کہیں ان حضرات کی یہ کوشش اس طرز کی تو نہیں ہے کہ ایک شخص نے چینی کے ڈبہ پر یہ لکھ دیا کہ ''یہ نمک کا ڈبہ ہے''، تاکہ چیونٹی دھوکہ کھا جائے۔ مگر ہوا یوں کہ چیونٹیاں ڈبہ پر نام بدل دینے سے دھوکہ نہیں کھائیں اور اپنے قدرتی حواس کے ذریعہ وہ چینی تک پہنچ گئیں۔ اس لئے آپ بینک کے سود کا نام چاہے جو رکھ لیں، ''نفع'' رکھ لیں، یا ''بونس'' (Bonus) رکھ لیں، یا ''احسان'' رکھ لیں، اس کی حقیقت نہیں بدل سکتی۔ ایک پکا سچا مسلمان اپنی مومنانہ فراست سے اسے سود ہی سمجھے گا۔

محترم قارئین! زیرنظر کتاب میں بینک کے سود کے حرام ہونے پر مدلل بحث کی گئی ہے، سب سے پہلے قرآن وحدیث سے سود کی حرمت بیان کی گئی ہے، پھر سود اور بیع میں فرق اور جاہلیت کے سود کی تفصیلات ذکر کی گئی ہیں۔ پھر اسلام نے سود پر روک لگانے کے جو طریقے اختیار کئے ہیں وہ بڑے ہی دل کش و دل نشیں انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد سود کے اخلاقی، اجتماعی اور معاشی نقصانات کو تفصیل سے دکھایا گیا ہے۔ پھر کمپنی اور اس کے طریق کار، بینک، اس کا تاریخی پس منظر، بینک کی اقسام اور اس کے وظائف وکام کو عام فہم لفظوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ پھر بینک کی تباہ کاریوں کو دکھایا گیا ہے، اس کے بعد بینک کے سود کو جائز قرار دینے والوں کے دلائل کا تنقیدی جائزہ اور دل نشیں انداز میں ان کا جواب دیا گیا ہے۔ اور بینک کے سود کے حرام ہونے پر مختلف کانفرنسوں اور فقہ اکیڈمیوں میں جو اجماع منعقد ہوا تھا اس کی قرارداد، پھر ناموں کی فہرست اور مصر کے مفتی نے بینک کے سود کے جواز پر جو فتویٰ دیا تھا اور ان کی تردید میں

علماء ازہر کی ایک ٹیم نے مکہ مکرمہ میں ایک علمی بیان شائع کیا تھا، اس پر دستخط کرنے والوں کے نام مع دستخط دکھائے گئے ہیں۔اور اخیر میں بینک کے متبادل کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ پھر بیمہ پر بحث کی گئی ہے، اس کی مختلف قسموں میں اجتماعی وتعاونی بیمہ کے جواز پر مکہ مکرمہ میں جو اجماع منعقد ہوا تھا، اس کی قرارداد پیش کی گئی ہے اور اس پر دستخط کرنے والوں کے نام بھی ذکر کردیئے گئے ہیں۔ان حضرات نے تجارتی بیمہ کو اس کی تمام صورتوں اور شکلوں کے ساتھ حرام قرار دیا ہے اور سب سے اخیر میں بیمہ کا متبادل بھی پیش کردیا گیا ہے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ ایک مومن کا اس بات پر ایمان ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس کام کا حکم دیا ہے یا جس کام سے منع کیا ہے، اس میں ضرور کوئی نہ کوئی حکمت موجود ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ حکمت ہمارے علم میں آ ہی جائے۔اگر اس کی حکمت ہمیں معلوم ہو جائے تو زہے قسمت اور اس پر ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر وہ حکمت ہماری سمجھ میں نہ آئے یا ہم اسے نہ جان سکیں تو ہم پر کوئی گناہ نہیں۔ہم سے صرف یہ مطالبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس کام کا حکم دیا ہے اسے بجالائیں، یا جس کام سے منع فرمایا ہے، اس سے باز آجائیں۔

چنانچہ حرمتِ سود کی بعض حکمتیں علماء کرام نے فرمائی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔سود انسانیت پر ایک ظلم واستحصال ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ظلم کو حرام قرار دیا ہے۔

۲۔حرمت سود میں مریض دل اور کمزور ایمان والوں کے لئے سد باب ہے۔

۳۔سود میں دھوکہ وفریب اور غبن ہوتا ہے۔

۴۔حرمت سود میں اس معیار کی حفاظت ہوتی ہے جس سے سامان تجارت کو قوام حاصل ہوتا ہے۔

۵۔سود اللہ تعالیٰ کے نظام ومنہج کی ضد ومخالف ہے۔

اس طرح یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس کتاب کا مقصد بینک کے سود کے بارے

میں اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت ہے، کسی پر تنقید مقصود نہیں۔ اگر دلائل کا جائزہ لیتے وقت کسی پر تنقید کی گئی ہے تو یہ محض اس قبیل سے ہے جیسا کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں کہا تھا: ''**شَیخُ الإسلامِ حَبِیبٌ إلَینا وَلٰکِنَّ الحَقَّ اَحَبُّ إلَینا مِنهُ**'' ''شیخ الاسلام ہماری محبوب ترین شخصیت ہیں، لیکن ہمارے نزدیک حق ان سے بھی زیادہ محبوب ہے''۔

اس کے ساتھ میں اپنے ان احباب کا بھی ممنون ومشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تسوید کے وقت مشورہ، کتابوں کی فراہمی، احادیث کی تخریج وغیرہ میں کسی بھی سلسلہ میں میری اعانت فرمائی۔ فجزاہم اللہ عنی خیر الجزاء۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے حق بات کہنے، لکھنے اور اس کی تبلیغ واشاعت کی توفیق دے اور میرے اس حقیر عمل کو اپنی رضا وخوشنودی کا ذریعہ بنائے۔ اور اس سے عام مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے اور ان کی ہدایت کا وسیلہ وذریعہ بنائے۔ اور جن کی زندگی غلط راستوں پر خصوصاً بینک کے سود کے معاملہ میں چل پڑی ہے انہیں صراط مستقیم کی طرف پلٹ آنے کی توفیق عطا کرے۔ اگر اس کتاب کو پڑھنے کے بعد کسی ایک مسلمان بھائی کو بینک کے سود سے تائب ہونے کی توفیق مل جائے تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری یہ کاوش کامیاب ہے۔ اور ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے اور وہی سمیع ومجیب ہے۔ **یَا مُقَلِّبَ القُلُوبِ ثَبِّت قُلُوبَنَا عَلیٰ دِینِکَ**۔

وَصَلِّ اَللّٰهُمَّ وَسَلِّم وَبَارِک عَلیٰ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ وَعَلیٰ آلِهِ وَصَحبِهِ اَجمَعِینَ، یَارَبَّ العَالَمِینَ .

خاکسار خادم اسلام

مشتاق احمد کریمی

یکشنبہ ۲۳/۳/ ۱۹۹۷ء مطابق ۱۴/۱۱/ ۱۴۱۷ھ — نزیل مدینہ منورہ، سعودی عرب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سود کی حرمت

اللہ تعالیٰ نے سود کو قطعی طور پر حرام کیا ہے اور سود کھانے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ نے اعلانِ جنگ کی وعید سنائی ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿ **يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إن كُنتُم مُؤمِنِينَ ، فَإن لَم تفعَلُوا فَاذَنُوا بِحَربٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَإن تُبتُم فَلَكُم رُؤوسُ اَموَالِكُم ، لَا تَظلِمُونَ وَلاَ تُظلَمُونَ** ﴾ (البقرہ: ۲۷۸-۲۷۹) ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو، اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ، ہاں! اگر توبہ کرلو، تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے''۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿ **اَلرِّبَا سَبعُونَ حُوباً اَيسَرُهَا اَن يَنكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهُ** ﴾ ''سود کا گناہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بھی ستر درجہ بڑا ہے''۔ (ابن ماجہ: باب التغليظ في الربا، حدیث نمبر ۲۲۷۴، حاکم ۲/ ۳۷ باب ارںی الربا عرض الرجل، مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۶، علامہ البانی نے صحیح ابن ماجہ ۲/ ۲۷ میں صحیح قرار دیا ہے)۔

اور عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿ **دِرهَمُ رِبَا يَاكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعلَمُ اَشَدُّ عِندَ اللّٰهِ مِن سِتَّةٍ وَثَلاثِين زَنيَّةً** ﴾ ''سود کا ایک درہم (پیسہ) جسے آدمی جان بوجھ کر کھائے، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی بڑا گناہ ہے''۔ (احمد ۵/ ۲۲۵، دارقطنی: (۲۹۵)، الصحیحہ: ۱۰۳۳، مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۶، علامہ البانی نے الصحیحہ ۲/ ۲۹، حدیث نمبر ۱۰۳۳ میں شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے)۔

سودخور کی مذمت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿ اَلَّذِینَ یَاکُلُونَ الرِّبَا لَایَقُومُونَ إِلَّا کَمَا یَقُومُ الَّذِی یَتَخَبَّطُهُ الشَّیطَانُ مِنَ المَسِّ، ذٰلِکَ بِاَنَّهُم قَالُوا إِنَّمَا البَیعُ مِثلُ الرِّبَاوَاَحَلَّ اللّٰهُ البَیعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ﴾ (البقرہ:۲۷۵)''سودخور لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھوکر خبطی بنادے، یہ اس لئے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام''۔

اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ﴿ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ آکِلَ الرِّبَا وَمُؤکِلَهُ وَکَاتِبَهُ وَشَاهِدَیهِ، وَقَالَ: هُم سَوَاءٌ ﴾''رسول اکرم ﷺ نے سود کھانے والے، سود دینے والے، اسے لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والے سب پر برابر کی لعنت بھیجی ہے''۔(مسلم:۳/۱۲۱۸، باب لعن آکل الربا، حدیث نمبر۱۵۹۷)۔

پیارے مسلمان بھائی! اب آیئے دیکھیں کہ وہ کون سی چیز ہے جس کے بارے میں اتنی سخت وعید سنائی گئی ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور وہ کن چیزوں میں پائی جاتی ہے؟ اس میں اور تجارت میں کیا فرق ہے؟ اور زمانہ جاہلیت میں کس کس طرح کے سودی کاروبار ہوتے تھے جسے قرآن وحدیث میں سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے؟ پہلے ان ساری باتوں سے واقفیت حاصل کرنا نہایت ضروری ہے، تاکہ ایک مسلمان اس سے دور رہ سکے۔

سود کی تعریف

قرآن وسنت کی اصطلاح میں سود کو''ربا'' کہتے ہیں، اس لفظ کا مادہ''رَ بَ وَ'' ہے۔ لغت میں جس کے معنیٰ''زیادتی، نمو، بڑھوتری اور چڑھنے'' کے ہیں۔''رَبَــــا''''بڑھا اور

زیادہ ہوا"، "**رَبَا فُلَانٌ السَّوِیقَ**" "اس نے ستو گھولا تو پھول گیا"، "**رَبَا فِی حِجرِہٖ**" "اس نے فلاں کی آغوش میں نشو ونما پائی"، "**اَربیٰ الشَّیءَ**" "چیز کو بڑھایا" وغیرہ معانی لغت میں بیان کئے گئے ہیں۔ خود قرآن مجید میں بھی اس لفظ کو بڑھنے کے معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿**یَمحَقُ اللّٰہُ الرِّبَا وَیُربِی الصَّدَقَاتِ**﴾ (البقرہ: ۲۷۶) "اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے"۔

شریعت کی اصطلاح میں سود کی یہ تعریف کی گئی ہے: "**ھُوَ زِیَادَۃُ اَحَدِ البَدَلَینِ المُتَجَانِسَینِ مِن غَیرِ اَن یُقَابِلَ ھٰذِہِ الزِّیَادَۃَ عِوَضٌ**" "ایک ہی جنس کی دو چیزوں کا آپس میں تبادلہ کرتے وقت ایک کو دوسرے سے اس طرح زیادہ لینا کہ اس زیادتی کے عوض میں کوئی چیز نہ ہو، سود کہلاتا ہے"۔ (**البنوک الإسلامیة بین النظریة والتطبیق** ص ۴۴)۔

فتاویٰ عالمگیری میں سود کی یہ تعریف کی گئی ہے: "**اَلرِّبَا عِبَارَۃٌ عَن فَضلِ مَالٍ لاَ یُقَابِلُہُ عِوَضٌ فِی مُعَاوَضَۃِ مَالٍ بِمَالٍ**" "سود اس زائد مال کو کہتے ہیں کہ مال کو مال سے تبادلہ کرتے وقت اس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہ ہو"۔

ہدایہ میں سود کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے: "**اَلرِّبَا ھُوَ الفَضلُ المُستَحِقُّ لِاَحَدِ المُتَعَاقِدَینِ فِی المُعَاوَضَۃِ الخَالِی عِوَضٌ شُرِطَ فِیہِ**" "لین دین کرتے وقت اس زائد مال کو سود کہتے ہیں جو کسی ایک فریق کو بطور شرط بلا معاوضہ حاصل ہو"۔

سود کی مذکورہ تعریف سے معلوم ہوا کہ اصل رقم پر جو زیادتی ہوگی وہ "ربا" کہلائے گی۔ اس لئے سود کی تعریف کا خلاصہ یہ ہوا: "**قرض میں دیئے گئے راس المال پر جو زائد رقم مدت کے مقابلہ میں شرط اور تعیین کے ساتھ لی جائے، وہ 'سود' ہے**"۔ راس المال پر اضافہ، اضافہ کی تعیین مدت کے لحاظ سے کیا جانا اور معاملہ میں اس کا مشروط ہونا، یہ تین اجزائے ترکیبی ہیں جن

سے سود بنتا ہے اور ہر وہ معاملہ قرض جس میں یہ تینوں اجزاء پائے جاتے ہوں وہ سودی معاملہ ہے، اس سے قطع نظر کہ وہ قرض تجارت کے مقصد سے لیا گیا ہو، یا شخصی ضرورت پوری کرنے کے لئے، اور اس قرض کا لینے والا شخص غریب ہو یا مالدار، کوئی کمپنی ہو یا حکومت۔

زمانہ جاہلیت کا سود

اب آیئے دیکھیں کہ جاہلیت کا سود کیا تھا جس کی حرمت پر قرآن مجید میں آیت اتری اور جسے نبی کریم ﷺ نے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں ''ربا'' کا اطلاق جس طرز معاملہ پر ہوتا تھا، اس کی متعدد صورتیں روایات میں آئی ہیں، اس کی ایک صورت یہ تھی:

قتادہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ: ''اہلِ جاہلیت کا ''ربا'' یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کرتا اور قیمت ادا کرنے کے لئے ایک مدت طئے کر لیتا، اب اگر وہ مدت پوری ہوگئی اور خریدار کے پاس اتنا مال نہ ہوا کہ قیمت ادا کردے، تو بیچنے والا اس پر زائد رقم عائد کر دیتا اور مہلت میں اضافہ کر دیتا''۔ (ابن جریر ج ۳ ص ۶۷)۔

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''جاہلیت کا ''ربا'' یہ تھا کہ ایک شخص کسی سے قرض لیتا اور کہتا کہ اگر تو مجھے اتنی مہلت دے تو میں اصل مال سے اتنا زیادہ دوں گا''۔ (ابن جریر ج ۳ ص ۶۲)۔

علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق: ''اہلِ جاہلیت کا ''ربا'' یہ تھا کہ وہ لوگ ایک دوسرے سے قرض لیتے تو باہم یہ طئے ہوجاتا کہ اتنی مدت میں اتنی رقم اصل راس المال سے زیادہ ادا کی جائے گی''۔ (احکام القرآن جلد اول)۔

علامہ فخرالدین رازی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق: ''اہلِ جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ وہ ایک شخص کو ایک معین مدت کے لئے روپیہ دیتے اور اس سے ماہ بماہ ایک مقررہ رقم سود کے طور پر وصول کرتے رہتے، جب مدت ختم ہوجاتی تو مدیون سے راس المال کا مطالبہ کیا جاتا، اگر وہ

ادا نہ کرسکتا تو پھر ایک مزید مدت کے لئے مہلت دی جاتی اور سود میں اضافہ کردیا جاتا''۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۱)۔

سود کی مذکورہ تعریف اور جاہلیت میں رائج سودی کاروبار پر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ موجودہ زمانہ میں بینکوں کا جوسودی کاروبار ہے وہ بعینہ جاہلیت کے سودی کاروبار میں سے ایک کاروبار ہے، جس کی حرمت پر تمام امت کا اجماع ہے۔

جاہلیت میں اس طرح کے کاروبار رائج تھے، انہی کو اہلِ عرب ''ربا'' کہتے تھے۔ اور اسی چیز کو قرآن مجید میں حرام کیا گیا ہے، مگر وہ ''ربا'' کو بیع وتجارت کی طرح جائز سمجھتے تھے، جس طرح موجودہ جاہلیت میں سمجھا جاتا ہے۔ اسلام نے پہلی بار یہ بتایا کہ راس المال میں جو زیادتی بیع وتجارت سے ہوتی ہے وہ اس زیادتی سے مختلف ہے جو ''ربا'' سے ہوتی ہے۔ پہلی قسم کی زیادتی حلال ہے اور دوسری قسم کی زیادتی حرام۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں فرمایا: **﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُم قَالُوا إنَّمَا البَیعُ مِثلُ الرِّبَا، وَاَحَلَّ اللّٰہُ البَیعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾** (البقرہ:۲۷۵) ''یہ اس لئے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام''۔

علامہ ابن ابن قدامہ رحمہ اللہ نے فرمایا: **(وَھُوَ مُحَرَّمٌ بِالکِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالإجمَاعِ)** ''سود کتاب وسنت اور اجماع امت کے دلائل سے حرام ہے''۔ (المغنی ۶/۵۱)۔

اب ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ بیع وتجارت اور سود کے مابین فرق جانے، سود کی خصوصیات کو سمجھے اور اس کی تباہ کاری پر بصیرت حاصل کرے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ اسلام نے کس بنا پر سود کو حرام کیا ہے۔

بیع اور ربا میں بنیادی فرق

بیع یہ ہے کہ بیچنے والا ایک چیز کوفروخت کرنے کے لئے پیش کرتا ہے۔خریدنے والے اور بیچنے والے کے درمیان اس چیز کی ایک قیمت طئے پاتی ہے اور اس قیمت کے بدلہ میں خریدنے والا اس چیز کو لے لیتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں ''ربا'' یہ ہے کہ ایک شخص اپنا راس المال ایک دوسرے شخص کوقرض دیتا ہے اور یہ شرط کرلیتا ہے کہ اتنی مدت میں اتنی رقم تجھ سے راس المال پر زائدلوں گا،اسی زائد رقم کا نام سود ہے جوکسی چیز کا عوض نہیں بلکہ محض مہلت کا عوض ہوتا ہے۔

بیع وتجارت اور''ربا'' کے دونوں معاملوں میں غورکرنے پر درج ذیل فرق معلوم ہوگا:

ا۔بیع میں خریدنے اور بیچنے والے کے درمیان منافع کا تبادلہ برابری کے ساتھ ہوتا ہے، کیونکہ خریدنے والا اس چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے جواس نے بیچنے والے سے خریدی ہے، اور بیچنے والا اپنی اس محنت، ذہانت اور وقت کی اجرت لیتا ہے جس کواس نے خریدنے والے کے لئے وہ چیز مہیا کرنے میں صرف کیا ہے۔

اس کے مقابلہ میں سودی لین دین میں منافع کا برابری کے ساتھ تبادلہ نہیں ہوتا،سود لینے والا تو مال کی ایک مقررہ مقدار لے لیتا ہے جواس کے لئے یقینی طور پر نفع بخش ہے۔لیکن سود دینے والے کوصرف مہلت ملتی ہے جس کا نفع بخش ہونا غیر یقینی ہے، کیونکہ قرض دار نے اگر اپنی شخصی ضرورت کے لئے قرض لیا ہے تب تو مہلت یقیناً نقصان دہ ہے۔اور اگراس نے یہ قرض تجارت کی غرض سے لیا ہے تو مہلت میں جس طرح اس کے لئے نفع کا امکان ہے، اسی طرح نقصان کا بھی امکان ہے۔لیکن قرض خواہ بہرحال اس سے نفع کی ایک مقرر مقدار لے لیتا ہے، خواہ قرض دار کواپنے کاروبار میں فائدہ ہو یا نقصان۔

معلوم ہوا کہ سود کا معاملہ یا تو ایک فریق کے فائدہ اور دوسرے کے نقصان پر ہوتا ہے، یا ایک کے یقینی اور متعین فائدہ اور دوسرے کے غیر یقینی اور غیر متعین فائدہ پر۔

۲۔خرید وفروخت کے معاملہ میں بیچنے والا خریدنے والے سے خواہ کتنا ہی زیادہ نفع لے، بہرحال وہ صرف ایک مرتبہ لیتا ہے، جبکہ سود کے معاملہ میں روپیہ دینے والا مسلسل اپنے روپے پر منافع وصول کرتا رہتا ہے، اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا منافع بڑھتا چلا جاتا ہے، قرض دار نے اس کے روپیہ سے خواہ کتنا ہی فائدہ حاصل کیا ہو، بہرحال اس کا فائدہ ایک خاص حد تک ہی ہوگا، مگر اس کے معاوضہ میں روپیہ دینے والا جو نفع اٹھاتا ہے اس کے لئے کوئی حد نہیں ہوتی۔

۳۔خرید وفروخت میں چیز اور اس کی قیمت کا مبادلہ ہونے کے ساتھ ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد خریدنے والے کو کوئی چیز بیچنے والے کو واپس نہیں دینی پڑتی، لیکن سود کے معاملہ میں قرض دار روپیہ لے کر خرچ کر چکا ہوتا ہے اور پھر اس کو وہ خرچ کیا ہوا روپیہ دوبارہ حاصل کر کے سود کے اضافہ کے ساتھ واپس دینی پڑتی ہے۔

۴۔خرید وفروخت میں انسان اپنی محنت اور ذہانت صرف کرتا ہے اور اس کا فائدہ لیتا ہے، مگر سودی کاروبار میں وہ محض اپنا ضرورت سے زائد مال دے کر بلا کسی محنت ومشقت کے دوسروں کی کمائی میں حصہ دار بن جاتا ہے۔

اس کے علاوہ سود انسان کے اندر بخل، خود غرضی، شقاوت، بے رحمی اور زر پرستی کی صفات پیدا کرتا ہے۔ وہ قوم اور قوم میں عداوت ڈالتا ہے، وہ افراد قوم کے درمیان ہمدردی اور امداد باہمی کے تعلقات کو قطع کرتا ہے، وہ سوسائٹی میں دولت کی آزادانہ گردش کو روکتا ہے، بلکہ دولت کی گردش کا رخ ناداروں سے مالداروں کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اس کی وجہ سے جمہور کی

دولت سمٹ کر ایک طبقہ کے پاس اکٹھی ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ چیز آخرکار پوری سوسائٹی کے لئے بربادی کی موجب ہوتی ہے، جیسا کہ معاشیات میں بصیرت رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ سود کے یہ تمام اثرات ناقابل انکار ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب ''سود'')۔

سود اور اجرت میں فرق

ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ سود ''زیادتی'' اور ''اضافہ'' کو کہتے ہیں، اور ''اجرت'' لغت میں خدمت کے مقابلہ میں ''عوض'' یا ''بدلہ'' کو کہتے ہیں۔ اور ''اجارت'' اس متعین منفعت کی قیمت کو کہتے ہیں جس پر طرفین آپس میں اتفاق کر لیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ''اجرت'' اور ''منفعت'' کے مابین گہرا تعلق ہے۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اجارت'' اجر سے مشتق ہے جس کے معنیٰ ''عوض'' یا ''بدل'' کے ہیں، اسی سے ثواب کو اجر کہتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندہ کو اس کی طاعت کے عوض بدلہ دیتا ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''اجرت'' اس مالی عوض کو کہتے ہیں جو جائز منفعت کے مقابلہ میں دیا جاتا ہے۔ اب یہ منفعت یا تو اشخاص کی خدمت سے حاصل ہوگی، یا ایسی قابل انتفاع چیزوں سے حاصل ہوگی جن سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور اس کا عین باقی رہتا ہے۔ اسی دوسری صورت سے سود کو جائز کرنے کا نظریہ ماخوذ ہے، وہ اس طرح کہ سود اس روپئے سے استفادہ کی اجرت ہے جو قرض دار کو دیا گیا ہے۔ اس لئے اجرت اور سود میں فرق جاننا نہایت ضروری ہو گیا ہے۔ اجرت سود سے درج ذیل باتوں میں مختلف ہے:

ا۔ اجرت اور سودی قرض میں فرق یہ ہے کہ اجرت میں دائن اور مدیون کا کوئی علاقہ وتعلق نہیں ہوتا، بلکہ اس میں مزدور اور مزدوری کرانے والے کا علاقہ ہوتا ہے۔ اور اجرت اور تجارتی سود میں فرق یہ ہے کہ اس میں دو اموال کے درمیان تبادلہ نہیں ہوتا، بلکہ اس میں مال

یعنی مزدوری اور عمل یعنی منفعت کا معاوضہ ہوتا ہے۔

۲۔کسی چیز سے فائدہ اٹھانے اور اس پر اجرت دینے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس چیز سے فائدہ اٹھانے کا امکان اس طرح سے ہو کہ اس کا عین ضائع نہ ہوتا ہو۔مثلاً روشنی کے لئے موم بتی کو کرایہ پر دینا اور اس کی اجرت لینا جائز و درست نہیں ہے۔اور قرض میں روپۓ کا عین باقی نہیں رہتا، بلکہ اس کی قیمت باقی رہتی ہے اور اس کا عین ضائع ہو جاتا ہے۔(**بنوک تجارية بدون ربا** ص۱۶۱تا۱۶۳)۔

ایداع اور ودیعت میں فرق

فقہاء نے ایداع کی تعریف یہ کی ہے:''**تَسلِيطُ الغَيرِ عَلىٰ حِفظِ مَالِهِ**'' یعنی دوسرے آدمی کو اپنے مال کی حفاظت پر مامور کرنا''۔اور''ودیعت'' اس مال کو کہتے ہیں جو امانت دار کے پاس رکھا جاتا ہے''۔موجودہ بینک میں رکھا جانے والا روپیہ ودیعت کے شرعی مفہوم سے اس اعتبار سے ملتا ہے کہ بینک میں روپیہ رکھنے والا اپنا روپیہ اس غرض سے رکھتا ہے کہ اس کے روپۓ کی حفاظت ہو اور طلب وضرورت کے وقت اسے واپس ملے۔

لیکن بینک یہ امانت استعمال کرتا ہے اور اپنے مال کے ساتھ ملا کر اس سے فائدہ کماتا ہے۔اس لئے اس تصرف کے سبب ودیعت اپنے شرعی مفہوم سے نکل جاتی ہے اور قرض یا سلف کا درجہ لے لیتی ہے، کیونکہ قرض دار کو قرض کے مال میں تصرف کرنے اور اسے استعمال کرنے کا حق ہوتا ہے اور ضائع وتلف ہونے کی صورت میں اس کا ضامن ہوتا ہے۔معلوم ہوا کہ ودیعت کو قرض میں بدل دینا جائز ہے، جیسا کہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔وہ اس طرح کہ جب کوئی شخص ان کے پاس اپنا مال امانت رکھنے کے لئے لاتا تھا تو وہ کہتے تھے:''یہ امانت نہیں بلکہ بطور قرض رکھتا ہوں، کیونکہ مجھے اس کے ضائع وتلف ہونے کا خطرہ ہے''۔

(بخاری: **كتاب فرض الخمس (٣١٢٩)**۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا (اور کسی صحابی نے ان کے اس عمل پر نکیر نہیں کی) کہ وہ ودیعت یا امانت کو قرض میں تبدیل کر دیتے تھے، کیونکہ وہ صاحبِ مال کی اجازت سے اس مال کو بڑھاتے تھے۔ موجودہ بینک کا طریقہ کار بھی یہی ہے کہ وہ امانت داروں کے سرمایہ کے ساتھ بعینہ یہی تصرف کرتا ہے۔ (**بنوك تجارية بدون ربا** ص۱۸۴تا۱۸۵)۔

علامہ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''فقہاء کے نزدیک ودیعت یہ ہے کہ مال کی حفاظت کی غرض سے کسی دوسرے شخص کو اپنا وکیل یا نائب بنایا جائے۔ اب اگر وکیل یا نائب کو اس مال میں تصرف کی اجازت ہو تو اس کی دو صورت ہے۔ ایک یہ کہ وہ مال اس نوعیت کا ہو کہ اس کے استعمال سے اس کا عین تلف ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ اس کے استعمال سے اس کا عین تلف نہ ہو۔ اب اگر اس کے استعمال سے اس مال کا عین تلف نہ ہو، تو اس کو ''عاریت'' کہتے ہیں۔ اور اگر اس کے استعمال سے اس کا عین تلف ہو جائے جیسے نقود اور روپیہ وغیرہ، تو ایسی صورت میں وہ ودیعت نہیں رہتی بلکہ قرض میں بدل جاتی ہے۔ اور جب تصرف واستعمال کی صورت میں ودیعت وامانت قرض بن جاتی ہے، تو موجودہ بینک امانت دار کو اس کی امانت کی مقدار سے جو زائد روپیہ دیتا ہے، وہ بلاشبہ سود ہے''۔

(**دراسة شرعية** ص۲۷۱-۲۷۲، **موقف الشريعة من المصارف الإسلامية المعاصرة** ص۴۱-۴۲)۔

اب ہم قارئین کی معلومات کے لئے ذیل میں قرض کسے کہتے ہیں؟ اس کی تعریف کیا ہے، نیز قرض کس غرض سے لیا اور دیا جاتا ہے، کچھ تفصیل بیان کرتے ہیں، تاکہ قارئین کو پوری بصیرت اور واقفیت حاصل ہو۔

قرض کی تعریف

قرض کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے: ''**دَفعُ مَالٍ لِمَن یَنتَفِعُ بِهٖ وَیَرُدُّ بَدَلَهُ**'' (**بنوک تجارية بدون ربا ص ۱۸۳**) ''ایک شخص کا دوسرے شخص کو اپنا مال حوالے کرنا تا کہ وہ اسے اپنی حاجت وضرورت پوری کرے اور بعد میں اس شخص کو اس کا بدل لوٹا دے''۔ معاملہ قرض میں قرض کی مقدار، اس کی نوعیت اور صفت معلوم ہونا ضروری ہے۔

لوگوں کی سہولت وآسانی کی غرض سے قرض کو شریعت میں جائز قرار دیا گیا ہے۔ قرض روپیہ کمانے کا نہ کوئی وسیلہ ہے اور نہ ہی مال بڑھانے کا کوئی طریقہ، بلکہ وہ ایک قسم کا احسان ہوتا ہے۔ اس وجہ سے قرض دار پر وہی مقدار ادا کرنا لازم ہے جو اس نے قرض خواہ سے لیا ہے، یا کم ازکم اس کی مثل ادا کرنا ضروری ہے، اس سے زائد نہیں۔ کیونکہ علم فقہ کا یہ اصول ہے کہ: ''جو قرض نفع لائے وہ سود ہے''۔ اور یہ حرمت اس کے ساتھ مقید ہے جب کہ قرض کا نفع مشروط ہو، یا طرفین میں متعارف ہو۔ اگر قرض کا نفع مشروط نہ ہو اور نہ ہی طرفین میں متعارف ہو، تو اخلاقاً قرض دار قرض سے بہتر اور زائد ادا کرسکتا ہے۔ ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اکرم ﷺ نے ایک آدمی سے اونٹ کا بچہ قرض پر لیا۔ پھر آپ کے پاس جب صدقہ کا اونٹ آیا تو آپ ﷺ نے مجھے اس آدمی کو اونٹ کا بچہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ میں نے کہا: یہاں تو صرف بڑے اونٹ ہیں، اونٹ کا بچہ کوئی نہیں، تو نبی کریم ﷺ نے حکم دیا: ﴿**اَعطِهِ إِیَّاهُ فَإِنَّ خَیرَکُم اَحسَنُکُم قَضَاءً**﴾''' بڑا اونٹ ہی دے دو، کیونکہ تم میں بہتر وہ شخص ہے جو ادائیگی میں بہتر ہو''۔ (بخاری ج ۳ ص ۱۵۳، مسلم ج ۵ ص ۵۴)۔

قرض سے متعلق مذکورہ احکام وتفصیل سے ثابت ہو گیا کہ تجارتی بینک جو سود پر قرض دیتا ہے، یا لیتا ہے وہ حرام ہے، کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔ اور اسلامی بینکوں کو چاہئے کہ شریعت

اسلامیہ کے مطابق لوگوں کی سہولت وآسانی کے لئے بلاسود قرض فراہم کریں۔(**البنوک الإسلامیة بین النظریة والتطبیق** ص ۱۱۷)۔

سود پر روک لگانے کے طریقے

اسلام جب کسی چیز کو حرام کرتا ہے تو اس کی طرف جانے کے جتنے راستے ممکن ہیں ان سب کو بند کردیتا ہے، بلکہ اس کی طرف پیش قدمی کی ابتدا جس مقام سے ہوتی ہے وہیں پر روک لگا دیتا ہے، تاکہ انسان اس کے قریب بھی نہ جانے پائے۔ یہی سبب ہے اسلام نے ہر اس چیز کو حرام قرار دیا ہے جو سود تک پہنچائے اور سود کھانے کا وسیلہ بنے۔ اب ہم ذیل میں ان باتوں کو درج کررہے ہیں جو اسلام نے سود کا راستہ بند کرنے کے لئے حرام کیا ہے:

۱۔ ربا الفضل کی حرمت:

''ربا الفضل'' اس زیادتی کو کہتے ہیں جو ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے دست بدست لین دین میں ہو، یا دو مختلف جنس کی چیزوں کا لین دین ادھار کے ساتھ ہو۔ ''ربا الفضل'' میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جن میں وہی علت پائی جائے جو نبی کریم ﷺ کے ذکر کردہ چھ قسم کی چیزوں میں پائی جاتی ہے اور وہ ہیں: سونا، چاندی، گیہوں، جَو، کھجور اور نمک۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''اسلام نے سود کا دروازہ بند کرنے کے لئے ''ربا الفضل'' کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں قرض والے سود خوری کا خطرہ ہے، وہ اس طرح کہ جب انسان ایک درہم کو دو درہم کے عوض بیچے-ایسا اس صورت میں ہوتا ہے جب دونوں قسم کے درہموں میں فرق ہو، یا ایک عمدہ نوع کا ہو اور دوسرا ردی، یا ایک ہلکا ہو اور دوسرا وزنی-تو وہ نقد نفع کی حد سے تجاوز کر کے ادھار نفع کی طرف چھلانگ لگائے گا جو ''قرض کا ربا'' کہلاتا ہے اور یہ سود خوری کا نہایت قریب ترین ذریعہ ہے۔ اس لئے حکمت اس بات کی متقاضی ہوئی

کہ سود کے اس دروازہ کو بند کر دیا جائے اور ایک درہم کو دو درہموں کے عوض خرید وفروخت کو خواہ دست بدست اور خواہ ادھار ہو، بہر دوصورت ممنوع قرار دیا جائے۔ اور یہ حکمت معقول ہے جو فتنہ وفساد کے دروازہ کو بند کر دیتی ہے''۔(**اعلام الموقعین** ج۲ص۱۳۰ تحقیق عبدالرحمٰن وکیل)۔

چنانچہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلـذَّهَـبُ بِـالـذَّهَـبِ وَالفِضَّةُ بِالفِضَّةِ وَالبُرُّ بِالبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمَرُ بِـالتَّـمَـرِ وَالـمِـلـحُ بِـالـمِـلحِ مِثلاً بِمِثلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَداً بِيَدٍ، فَإِذَا اختَلَفَتِ الاَصـنَـافُ فَبِيـعُـوا كَيفَ شِئتُم إِذَا كَانَ يَداً بِيَدٍ﴾ ''سونے کا تبادلہ سونے سے، اور چاندی کا چاندی سے، اور گیہوں کا گیہوں سے، اور جَو کا جَو سے، اور کھجور کا کھجور سے، اور نمک کا نمک سے اس طرح ہو کہ جیسے کا تیسا اور برابر برابر اور دست بدست ہو۔ البتہ اگر مختلف جنس کی چیزوں کا ایک دوسرے سے تبادلہ ہو تو پھر جیسا چاہو بیچا کرو، بشرطیکہ لین دین دست بدست ہو''۔(بخاری:۴/۳۱۱، مسلم:۳/۱۲۱۰، حدیث نمبر۱۵۸۷، ترمذی:۳/۵۳۲، ابوداؤد:۳/۲۴۸، مشکوٰۃ، حدیث نمبر:۲۸۰۹)

معلوم ہوا کہ ایک ہی جنس کی دو چیزوں کو دست بدست کمی بیشی کے ساتھ بیچنا، یا ادھار بیچنا بہر دوصورت حرام ہے۔ اور جنس مختلف ہونے کی صورت میں اگر دست بدست ہو تو جائز ودرست ہے، ورنہ ادھار کی صورت میں حرام ہے۔

۲۔سودخور کے پاس ملازمت کرنا، یا سودی کاروبار کا تعاون کرنا:

سود کا دروازہ بند کرنے کے لئے اسلام نے ایک طریقہ یہ بھی اپنایا ہے کہ نہ صرف سود لینے والے اور سود دینے والے کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے بلکہ دونوں سود کو حرام قرار دیا ہے، یہی نہیں بلکہ ایک مسلمان پر ان سارے کاموں کو حرام قرار دیا ہے جن میں سودی کاروبار ہوتا ہے۔ اس طرح سودی دستاویز لکھنے والے، سودی کاروبار میں واسطہ بننے والے، یا سودی

معاملات میں گواہ بننے والے سب کا گناہ اس شخص کے برابر ہے جو براہ راست سود کھاتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿**لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا وَمُؤكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيهِ، وَقَالَ: هُم سَوَاءٌ**﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، اور سود دینے والے، اور اسے لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والوں پر لعنت بھیجی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ یہ سارے لوگ گناہ میں برابر کے شریک ہیں''۔ (مسلم: باب لعن آکل الربا، حدیث نمبر: ۱۵۹۷)۔

اور اس لعنت میں وہ تمام لوگ بھی شامل ہوں گے جو اپنی عمارتوں کو سودی کاروبار کرنے والوں، یا سودی کاروبار کرنے والے بینکوں اور اداروں کو کرایہ پر دیتے ہیں، نیز وہ لوگ بھی داخل ہیں جو سودی کاروبار کرنے والوں کے پاس اپنا سرمایہ جمع رکھتے ہیں، گرچہ وہ سود نہیں لیتے۔

۳۔قرض دینے کے سبب نفع کا حصول:

سود کا دروازہ بند کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو اس نفع سے بھی منع فرمایا ہے جو قرض دینے کے سبب حاصل ہوتا ہے، مثلاً ہدیہ اور قرض دینے والے کا مفت میں کام کر دینا وغیرہ۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے: ﴿**إِذَا أَقرَضَ أَحَدُكُم قَرضاً فَأُهدِيَ إِلَيهِ أَو حَمَلَهُ عَلَى الدَّابَّةِ، فَلَا يَركَبهُ وَلَا يَقبَلهَا إِلَّا أَن يَكُونَ جَرىٰ بَينَهُ وَبَينَهُ قَبلَ ذٰلِكَ**﴾ ''جب تم میں سے کوئی قرض دے اور اسے ہدیہ دیا جائے، یا سواری پر بٹھایا جائے، تو وہ نہ بیٹھے اور نہ ہدیہ قبول کرے۔ ہاں! اگر قرض دینے سے پہلے ہی سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے، تو کوئی حرج نہیں''۔ (ابن ماجہ: ۲/ ۶۱، باب القرض، حدیث نمبر: (۲۴۵۷)، مشکوٰۃ المصابیح: حدیث نمبر: (۲۸۳۱)۔

اس حدیث پاک سے نبی کریم ﷺ نے ان منافع سے بھی منع فرمایا ہے جو قرض دینے کے سبب قرض خواہ کو حاصل ہوتا ہے۔

۴۔خرید وفروخت کی چند ممنوع قسمیں:

سود کا مادہ ختم کرنے اور اس کا دروازہ بند کرنے کے لئے اسلام نے خرید وفروخت کے بعض معاملات کو حرام ٹھہرا دیا ہے، مثلاً ''مخابرہ'' یعنی کھیت کی پیداوار میں سے اپنے لئے کچھ خاص کر لینا، جیسے کسی درخت، یا زمین کے بعض حصہ کو خاص کر لینا، وغیرہ۔اور مثلاً ''مزابنہ'' یعنی درخت میں لگی ہوئی کچی کھجور کو پکی ہوئی کھجور سے بیچنا۔اور مثلاً ''محاقلہ'' یعنی کھیت میں لگے ہوئے کچے اناج کو پکے ہوئے اناج سے خریدنا، وغیرہ۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''ان خرید وفروخت کے معاملے کو اور ان جیسے دیگر معاملات کو اس وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے، تاکہ سود کا مادہ ختم ہو اور اس کی جڑ کٹ جائے، کیونکہ سوکھنے سے پہلے دونوں چیزوں میں ہم وزنی، مماثلت اور برابری معلوم نہیں ہے، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے: ''**اَلجَهلُ بِالمُمَاثَلَةِ كَحَقِيقَةِ المُفَاضَلَةِ**'' یعنی ''دو چیزوں میں برابری ومماثلت معلوم نہ ہونا ہی سود کی حقیقت ہے''۔(تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۵۸۱، مطبوعہ بیروت)۔

۵۔سود کھانے کا حیلہ وبہانہ ڈھونڈنا:

سود کا راستہ اور اس کا دروازہ بند کرنے کے لئے اسلام نے سود کھانے کے لئے بہانہ بازی اور حیلہ سازی کو حرام قرار دیا ہے، یہی نہیں بلکہ کسی بھی حرام شئ کو حلال کرنے کی حیلہ سازی کو حرام ٹھہرایا ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر گائے اور بکری کی چربی کو حرام قرار دیا تھا، مگر انہوں نے اسے جائز کرنے کا یہ حیلہ اختیار کیا کہ چربی کو پگھلایا اور بیچا اور پھر اس کی قیمت کھائی۔چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿**قَاتَلَ اللّٰهُ اليَهُودَ، اِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ شُحُومَهَا، جَمَلُوهُ ثُمَّ بَاعُوهُ وَ اَكَلُوا ثَمَنَهُ**﴾ ''اللہ تعالیٰ یہودیوں کو غارت کرے، جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی کو حرام کیا تو انہوں نے اسے

پگھلایا، پھر بیچا اور اس کی قیمت کھائی''۔(بخاری: کتاب الانبیاء (۵۰)، مسلم: (۴۰۲۶) باب تحریم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام، نسائی: کتاب البیوع (۹۳)، مسند احمد ج ا ص ۲۵)۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**وَالحِيَلُ كُلُّهَا مُحَرَّمَةٌ غَيرُ جَائِزَةٍ فِي شَيءٍ مِنَ الدِّينِ**'' ''دین کے کسی بھی معاملہ میں کسی بھی قسم کا حیلہ ناجائز اور حرام ہے''۔

پھر علامہ موصوف نے حیلہ کی تعریف یہ بیان کی: حیلہ یہ ہے کہ جائز عقد ومعاملہ کو ظاہر کرے، مگر اس سے بطور دجل وفریب حرام عقد ومعاملہ کرنا، یا حرام کو حلال کرنا، یا واجب کو ساقط کرنا، یا حق کو رد کرنا مقصود ہو''۔ (المغنی: ج ۴ ص ۶۳)۔

سود کھانے کے چند جدید طریقے

سود کے بہت سارے حیلے اور راستے ہیں جو شمار میں نہیں آ سکتے۔ ہر زمانہ میں سود خوروں نے سود کے نت نئے راستے اور طریقے نکالے ہیں جن کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ اور شریعت کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ ذیل میں چند طریقوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

ا۔ بیع عِینَہ:

اس کی صورت یہ ہے کہ زید بکر سے ایک سامان کو ایک خاص مدت کے لئے ادھار بیچے اور پھر اسی سامان کو زید بکر سے اس سے کم قیمت پر نقد خرید لے۔ علماء محققین نے اس قسم کے بیع کو سود قرار دیا ہے۔ ان میں علامہ ابن تیمیہ اور علامہ قرطبی رحمہما اللہ شامل ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے فتویٰ پوچھا گیا کہ ایک آدمی نے حریرہ (ایک خاص قسم کھانا) ایک مدت کے لئے ادھار بیچا، پھر اسے اس سے کم قیمت پر نقد خرید لیا، تو انہوں نے جواب دیا: ''یہ ان معاملات میں سے ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے''۔ اور یہ بیع جمہور علماء امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے یہاں ناجائز

اورحرام ہے''۔(فتاویٰ ابن تیمیہ ج۲۹ص۴۴۶)۔

۲۔مسئلہ تورق:

اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے شخص سے کوئی سامان خریدتا ہے تاکہ اسے بیچے اوراس کی قیمت لے،اس کا مقصد نہ اس سامان سے فائدہ اٹھانا ہواور نہ تجارت کرنا، بلکہ اس کا مقصد صرف ایک سے لینا اور دوسرے کو دینا ہو۔اس طرح کے خرید وفروخت کو''تورق'' کہتے ہیں۔اس قسم کی خرید وفروخت علماء کے نزدیک مکروہ ہے ۔عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''تورق سود کا بھائی ہے''۔

۳:دوخریدوفروخت کرنے والوں کا تیسرےکوواسطہ بنانا:

اس کی صورت یہ ہے کہ دوآدمی کسی سودی معاملہ پراتفاق کرلیں اور بازار کے مالک کے پاس آئیں اوراس سے کسی قیمت پرکوئی سامان کا مطالبہ کریں اوروہ سامان ان میں سے ایک آدمی خریدلے،پھر دوسرے کے ہاتھ خریدی ہوئی قیمت سے زیادہ قیمت پرادھارخریدے اور جب خرید چکے تو پھر بازار کے مالک کواس سے کم قیمت پر واپس کردے،اس طرح بازار کا مالک دونوں کے درمیان واسطہ بنے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''بلاشبہ یہ صورت سود میں سے ہے''۔

۴۔سود کی طلب میں ادھار بیچنا:

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:''ایک آدمی اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے ایک ہزار درہم دے دو،تو کتنا نفع لوگے؟ دوسرا آدمی جواب دے:''دوسو''،یا یہ کہے کہ میرے پاس یہ مال ہے جو ایک ہزار درہم کے برابر ہے،پھر اسے اس سے ادھار پر اس سے زیادہ قیمت پر بیچے۔یہ اس خرید وفروخت میں سے جس سے منع کیا گیا ہے''۔ (فتاویٰ

ابن تیمیہ ج ۲۹ ص ۴۴۱)۔

۵۔قرض کی مدت گزر جانے پر اسے بیع میں تبدیل کر دینا:

اس کی صورت یہ ہے کہ جب قرض کی مدت گزر جائے اور قرض دار قرض ادا نہ کر سکے تو قرض خواہ اس قرض کو زیادہ مال لے کر دوسرے معاملہ میں تبدیل کر دے۔ یہ سود ہے جس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

سود کے نقصانات

قارئین کرام! آیئے جائزہ لیں کہ اسلام نے سود کو قطعی طور پر کیوں حرام قرار دیا ہے؟ اس کے اندر کیا برائیاں ہیں؟ اور اس کے انسان کے اخلاق، معاشرہ، ملک اور پوری دنیا پر کیا برے اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ اور ان اسباب کی بنا پر سود نہ کوئی معقول چیز ہے، نہ وہ عدل وانصاف کا تقاضا ہے اور نہ ہی وہ کوئی معاشی ضرورت ہے۔اب ایک ایک کر کے مختلف پہلوؤں سے سود کے نقصانات اور تباہ کاریوں کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں، تاکہ کسی عقل مند آدمی کو اس ناپاک چیز کی حرمت کے بارے میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ باقی نہ رہے۔

ا۔سود کے اخلاقی نقصانات:

اخلاق اور روح انسانیت کا اصل جوہر ہے اور جو چیز ہمارے اس جوہر کو نقصان پہنچائے وہ بہرحال قابل ترک ہے، خواہ اس کے کتنے ہی فوائد بیان کئے جائیں۔ اب آپ سود کا نفسیاتی تجزیہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ روپیہ جمع کرنے کی خواہش سے لے کر سودی کاروبار کے مختلف مرحلوں تک پورا ذہنی عمل خودغرضی، بخل، تنگ دلی، سنگدلی اور زر پرستی جیسی صفات کے زیر اثر جاری رہتا ہے اور آدمی جتنا سودی کاروبار میں آگے بڑھتا جاتا ہے، یہی صفات اس کے اندر نشوونما پاتی چلی جاتی ہیں۔ٹھیک اس کے برعکس صدقات وزکوٰۃ کی ابتدائی نیت

سے لے کر اس کے عملی ظہور تک پورا ذہنی عمل فیاضی، ایثار، ہمدردی، فراخ دلی اور عالی ظرفی جیسی صفات کے زیر اثر واقع ہوتا ہے اور اس پر عمل کرتے رہنے سے یہی صفات آدمی کے اندر نشو ونما پاتی ہیں۔ اب کیا آپ کا دل یہ شہادت نہیں دیتا کہ اخلاقی صفات کے مذکورہ دونوں مجموعوں میں پہلا بدترین اور دوسرا مجموعہ بہترین ہے؟

۲۔سود کے تمدنی واجتماعی نقصانات:

جس معاشرہ میں افراد ایک دوسرے کے ساتھ خود غرضی کا معاملہ کریں، کوئی اپنی ذاتی غرض اور اپنے ذاتی فائدے کے بغیر کسی کے کام نہ آئے، ایک کی حاجت مندی دوسرے کے لئے نفع اندوزی کا موقع بن جائے، ایسا معاشرہ کبھی مستحکم نہیں ہوسکتا۔ وہ ہمیشہ انتشار و پراگندگی کی طرف مائل رہے گا۔ اس کے برعکس جس معاشرہ کا اجتماعی نظام آپس کی ہمدردی پر مبنی ہو، جس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ مدد کا ہاتھ بڑھائے، ایسے معاشرہ میں باہمی محبت اور خیر خواہی نشو ونما پائے گی، اس میں باہمی تعاون اور خیر خواہی کی وجہ سے ترقی کی رفتار پہلے معاشرہ کی بہ نسبت بہت زیادہ تیز ہوگی۔

یہی بات ایک قوم کے دوسری قوم کے ساتھ تعلقات کے سلسلہ میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ اگر ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ فیاضی و ہمدردی کا معاملہ کرے اور اس کی مصیبت کے وقت کھلے دل سے مدد کا ہاتھ بڑھائے، ممکن نہیں ہے کہ دوسری طرف سے اس کا جواب محبت وشکر گزاری اور خیر خواہی کے علاوہ دوسری صورت میں ملے۔ اس کے برعکس وہی قوم اگر اپنی ہمسایہ قوم کے ساتھ خود غرضی، تنگدلی کا برتاؤ کرے اور اس کی مشکلات کا ناجائز فائدہ اٹھائے تو یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے اس خود غرض ہمسایہ کے لئے اس قوم کے دل میں کوئی اخلاص، محبت اور خیر خواہی باقی رہ جائے۔ دوسری جنگ عظیم کی بات ہے کہ انگلستان نے

امریکہ سے ایک بھاری قرض کا معاملہ طئے کیا۔ انگلستان چاہتا تھا کہ امریکہ جو اس لڑائی میں اس کا رفیق تھا، اسے بلا سود قرض دے دے، لیکن امریکہ سود چھوڑنے پر راضی نہ ہوا اور انگلستان اپنی مشکلات کی وجہ سے مجبور ہوگیا کہ سود دینا قبول کرے۔ اس کا جو اثر انگریزی قوم پر مرتب ہوا وہ اس وقت کے وزیر خزانہ ڈاکٹر ڈالٹن کے الفاظ میں یہ تھا: ''یہ بھاری بوجھ جسے لادے ہوئے ہم جنگ سے نکل رہے ہیں، ہماری ان قربانیوں اور جفاکشیوں کا بڑا ہی عجیب صلہ ہے جو ہم نے مشترک مقصد کے لئے برداشت کیں''۔

یہ سود کا فطری اثر ہے اور اس کا لازمی نفسیاتی ردعمل ہے جو ہمیشہ ہر حال میں رونما ہوگا، ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ یہ معاملہ کرے، یا ایک شخص دوسرے شخص کے ساتھ۔

۳۔ سود کے معاشی نقصانات:

معاشی اور اقتصادی حیثیت سے بھی سود کے نقصانات اتنے زیادہ ہیں کہ سیاست واقتصادیات کے ماہرین فلاسفہ نے اس امر کو ثابت کردیا ہے کہ ساری دنیا آج جن سارے بحرانوں سے دوچار ہے، ان کے پیچھے سود کا ہاتھ ہے۔ اور عالمی اقتصادیات کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک کہ سودی کاروبار صفر کے درجہ میں نہ پہنچ جائے یعنی سود کو اس کے بیخ وبن سے اکھاڑ کر نہ پھینک دیا جائے۔

اقتصادیات کے ایک اسپیشلسٹ نے سچ کہا: ''سود اقتصادی زندگی کے لئے ایڈز کے مانند ہے، جو اس کی دفاعی قوت کو گھن لگادیتا ہے اور اسے ہلاکت وبربادی کے گڈھے میں جا گراتا ہے''۔ چنانچہ امریکہ جو سرمایہ داری نظام کا سب سے بڑا علم بردار اور سرغنہ ہے، خوفناک حد تک سخت مالی بحران کا شکار رہے۔ امریکی نیوز ایجنسی نے یہ خبریں چھاپی ہیں کہ امریکہ میں بے روزگاروں کی تعداد بارہ ملین سے بھی زیادہ ہوچکی ہے اور ۱۹۸۲ء میں (۲۵۳۰۰) سے زیادہ

کمپنیوں نے اپنے دیوالیہ ہونے کا اعلان کیا ہے۔اور جرمنی میں شائع اعداد وشمار کے مطابق ۱۹۸۲ء میں اقتصادی کساد بازاری اور قیمتوں کے زیادہ ہوجانے کے سبب شرح (۹۱۶ء۱۱) تک پہنچ چکی ہے جو کہ ۱۹۸۱ء کے مقابلہ میں ۴۰٪ فیصد زیادہ ہے۔

جیفری مارک اپنی کتاب ''جدید بت پرستی'' میں لکھتے ہیں:''یہ ضروری ہوگیا ہے کہ ہم یہ اضافہ کریں کہ جو مورخین جدید ڈیموکریسی جو سودی نظام پر قائم ہے، کی خدمت میں تاریخ لکھتے ہیں، انہوں نے اس مسئلہ کو اور کمزور کردیا ہے اور وہ کمزور مسئلہ کیا ہے؟ وہ ہے نپولین بونا پارٹ کی شکست، مصنف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس چیز نے نپولین کو شکست سے دوچار کیا وہ صرف سود کھانے والوں کا غلبہ وتسلط تھا''۔(الربا: ڈاکٹر سلیمان الاشقر، کویت)۔

آیئے اب جائزہ لیں کہ سود کے معاشی نقصانات کیا ہیں؟ قرض مختلف قسم کے ہوتے ہیں:

۱۔وہ قرضے جو حاجت مند لوگ اپنی ذاتی ضروریات کے لئے لیتے ہیں۔

۲۔وہ قرضے جو تاجر، صنعت کار اور کاروباری لوگ اپنے نفع آور کاموں میں لگانے کے لئے لیتے ہیں۔

۳۔وہ قرضے جو حکومت اپنے اہلِ ملک سے لیتی ہے، جنگ کے موقع پر یا کسی نفع آور اسکیم ریل، بجلی وغیرہ جاری کرنے کے لئے۔

۴۔وہ قرضے جو حکومت اپنی ضروریات کی خاطر غیر ممالک سے لیتی ہے۔

اب ہم ان میں سے ہر ایک کا الگ الگ جائزہ لے کر دیکھیں گے کہ اس پر سود عائد ہونے کے نقصانات کیا ہیں:

۱۔اہلِ حاجت کے قرضے:

دنیا میں سب سے زیادہ سودخواری اس کاروبار میں ہوتی ہے جو مہاجنی کاروبار

(Lewding business) کہلاتا ہے۔ یہ بلا صرف ہندوستان تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک عالمگیر بلا ہے جس سے کوئی ملک بچا ہوا نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں کہیں بھی یہ انتظام نہیں ہے کہ غریب اور متوسط طبقہ کے لوگوں کو ان کی ہنگامی ضروریات کے لئے آسانی سے قرض مل جائے۔ اس کی وجہ سے ہر ملک میں مزدور، کسان، چھوٹے چھوٹے کاروباری آدمی اور کم تنخواہ والے ملازم مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے برے وقت پر مہاجنوں سے قرض لیں۔ اس کاروبار میں اتنی بھاری شرح سود رائج ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ سودی قرض کے جال میں پھنس جاتا ہے وہ پھر اس سے نہیں نکل سکتا، بلکہ دادا کا لیا قرض پوتوں تک وراثت میں منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور پھر یہ شرح سود انگلستان میں سرکاری ٪۴۸ فیصدی سالانہ اور غیر سرکاری ٪۲۵۰ سے ٪۴۰۰ فیصدی ہے۔ امریکہ میں سرکاری ٪۳۰ سے ٪۶۰ فیصدی سالانہ اور غیر سرکاری ٪۱۰۰ سے ٪۲۶۰ فیصدی ہے اور اکثر ٪۴۸۰ فیصدی تک پہنچ جاتی ہے۔ اور خود ہمارے ملک ہندوستان میں ٪۷۵ فیصدی سالانہ ہے جو اکثر ٪۱۵۰ فیصدی تک پہنچ جاتی ہے، بلکہ ٪۳۰۰ اور ٪۳۵۰ فیصدی سالانہ شرح کی مثالیں بھی پائی گئی ہیں۔

اس بلائے عظیم میں ہر ملک کے غریب اور متوسط طبقہ کی بڑی اکثریت بری طرح پھنسی ہوئی ہے۔ شب و روز کی انتھک محنت کے بعد جو تھوڑی سی تنخواہیں یا مزدوریاں ان کو ملتی ہیں، ان میں سے سود ادا کرنے کے بعد ان کے پاس اتنا بھی نہیں بچتا کہ وہ دو وقت کی روٹی چلا سکیں۔ اس سے ان کے صرف اخلاق میں بگاڑ اور جرائم کی طرف ان کا رجحان، ان کے معیار زندگی کی پستی اور ان کی اولاد کے معیار تعلیم و تربیت میں کمی ہی نہیں آتی، بلکہ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ دائمی فکر اور پریشانی ملک کے عام کارکنوں کی قابلیت کار کو بہت گھٹا دیتی ہے اور جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ان کی محنت کا پھل دوسرا لے اڑتا ہے تو اپنے کام سے ان کی دل چسپی ختم ہو جاتی

ہے۔اس لحاظ سے یہ سودی کاروبار ایک ظلم ہی نہیں بلکہ اجتماعی معیشت کا بھی بھاری نقصان ہے اوراس کا براہ راست اثر معاشی پیداوار پر پڑتا ہے۔اگر دنیا میں پانچ کروڑ آدمی بھی ایسے ہیں جومہاجنوں کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں،اور وہ اوسطاً ۱۰روپئے ماہانہ سود ادا کر رہے ہیں تواس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہرمہینہ ۵۰ کروڑ روپئے کا مال فروخت ہونے سے رہ جاتا ہے اوراتنی بھاری رقم معاشی پیداوار کی طرف پلٹنے کے بجائے مزید سودی قرضوں کی تخلیق میں ماہ بماہ صرف ہوتی رہتی ہے۔۱۹۴۵ء میں یہ اندازہ کیا گیا تھا کہ صرف ہندوستان کے مہاجنی قرضے کم ازکم دس ارب روپئے تک پہنچے ہوئے تھے۔

۲۔کاروباری قرض:

جوقرض تجارت وصنعت اورکاروباری اغراض سے لیا جاتا ہے اس پرسود کو جائز قرار دینے کے معاشی نقصانات کیا ہیں ذرا ٹھنڈے دل سے پڑھیں۔صاحب سرمایہ لوگ اپنا سرمایہ شریک اورحصہ دار کی حیثیت سے کاروبار میں لگانے کے بجائے دائن کی حیثیت سے بصورت قرض دیتے ہیں اوراس پر ایک مقررہ شرح کے مطابق اپنا سود وصول کرتے رہتے ہیں۔انہیں معاشی پیداوار کوفروغ دینے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی،کیونکہ اس کا نفع تو بہرحال مقرر ہے۔اور اگرکاروبار میں نقصان ہو رہا ہوتب بھی انہیں کوئی فکر دامنگیر نہیں ہوتی،کیونکہ ان کے لئے نفع کی گارنٹی ہے۔فرض کیجئے کہ ۱۹۷۰ء میں ایک شخص ۲۰ سال کے لئے سات فیصدی شرح سود پر ایک بھاری قرض حاصل کیا اوراس سے کوئی بڑا کام شروع کیا۔اب وہ مجبور ہے کہ ۱۹۹۰ء تک ہرسال باقاعدگی کے ساتھ اس حساب سے اصل کی قسط اورسود ادا کرتا رہے جو ۱۹۷۰ء میں طئے ہوا تھا۔لیکن اگر ۱۹۷۵ء تک پہنچتے پہنچتے قیمتیں گرکراس وقت کے نرخ سے آدھی رہ گئی تواس کے معنیٰ یہ ہیں کہ یہ شخص جب تک آغاز معاہدہ کے زمانہ کی بہ نسبت اس وقت دوگنا مال

نہ بیچے، وہ نہ اس رقم کا سود ادا کرسکتا ہے اور نہ قسط۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس ارزانی کے دور میں یا تو اس قسم کے اکثر قرض داروں کے دیوالے نکل جائیں، یا وہ دیوالے سے بچنے کے لئے معاشی نظام کو خراب کرنے والی ناجائز حرکتوں میں سے کوئی حرکت کریں۔ اس معاملہ پر اگر آپ غور کریں تو اس میں کوئی شک نہیں رہے گا کہ مختلف زمانوں میں چڑھتی اور گرتی ہوئی قیمتوں کے درمیان قرض دینے والے سرمایہ دار کا وہ منافع جو تمام زمانوں میں یکساں رہے، نہ انصاف ہے اور نہ معاشیات کے اصولوں کے لحاظ سے اس کو کسی طرح درست کہا جا سکتا ہے۔

۳۔ حکومت کے ملکی قرضے:

عموماً حکومتیں نفع آور کاموں پر لگانے کے لئے لمبی مدت کے قرضے لیتی ہیں، مگر کوئی حکومت بھی ایک مقرر شرح سود پر قرض لیتے وقت یہ نہیں جانتی کہ آئندہ بیس تیس سال کے دوران میں ملک کے اندرونی حالات اور دنیا کے بین الاقوامی معاملات کیا رنگ اختیار کریں گے، اور ان میں اس کام کی نفع آوری کا کیا حال رہے گا جس پر خرچ کرنے کے لئے وہ یہ سودی قرض لے رہی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حکومت کے اندازے غلط نکلتے ہیں اور وہ کام شرح سود کے برابر نفع نہیں دیتا کجا کہ اس سے زیادہ۔ اب حکومت اس کے سود کا بار عام باشندوں پر ڈال دیتی ہے۔ ٹیکسوں کے ذریعہ سے ہر شخص کی جیب سے بالواسطہ یا بلاواسطہ یہ سود نکالا جاتا ہے اور سال کے سال لاکھوں روپے کی رقمیں جمع کر کے سرمایہ داروں کو مدت ہائے دراز تک پہنچائی جاتی رہتی ہیں۔ فرض کیجئے کہ آج پانچ کروڑ روپے سے آب پاشی کی ایک بڑی اسکیم عمل میں لائی جاتی ہے اور یہ سرمایہ ۶ فیصدی سالانہ سود پر حاصل کیا جاتا ہے۔ اس حساب سے حکومت کو ہر سال ۳۰ لاکھ روپیہ سود ادا کرنا ہوگا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ حکومت اتنی بڑی رقم کہیں سے زمین کھود کر نہیں نکالے گی، بلکہ اس کا بار ان زمین داروں پر ڈالے گی جو آب پاشی کے

اس منصوبہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔ ہر زمین دار پر جو آبیانہ لگایا جائے گا اس میں ایک حصہ لازماً اس سود کا بھی ہوگا اور زمین دار خود بھی یہ سود اپنے گھر سے نہیں دے گا، بلکہ وہ اس کا بار غلے کی قیمت پر ڈالے گا۔ اس طرح یہ سود بالواسطہ ہر اس شخص سے وصول کیا جائے گا جو اس غلے کی روٹی کھائے گا۔ اس طرح ایک ایک غریب اور فاقہ کش آدمی کی روٹی میں سے لازماً ایک ایک ٹکڑا توڑا جائے گا اور ان سرمایہ داروں کے پیٹ میں ڈالا جائے گا جنہوں نے ۳۰ لاکھ روپیہ سالانہ سود پر اس منصوبہ کے لئے قرض دیا تھا۔ اگر حکومت کو یہ قرض ادا کرتے کرتے ۵۰ برس لگ جائیں تو وہ غریبوں سے چندہ جمع کر کے امیروں کی مدد کرنے کا یہ فریضہ نصف صدی تک برابر انجام دیتی چلی جائے گی۔

یہ عمل اجتماعی معیشت میں دولت کے بہاؤ کو ناداروں سے مالداروں کی طرف پھیر دیتا ہے، حالانکہ جماعت کی فلاح کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مالداروں سے ناداروں کی طرف جاری ہو۔ یہ خرابی صرف اسی سود میں نہیں ہے جو حکومت نفع آور قرضوں پر ادا کرتی ہے، بلکہ ان سارے سودی معاملات میں ہے جو تمام کاروباری آدمی کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی تاجر یا صنعت کار یا زمین دار اپنے گھر سے وہ سود ادا نہیں کرتا جو اسے سرمایہ دار کو دینا ہوتا ہے، وہ سب اس بار کو اپنے مال کی قیمتوں پر ڈالتے ہیں اور اس طرح عام لوگوں سے پیسہ پیسہ چندہ اکٹھا کر کے لکھ پتی سرمایہ دار کی جھولی میں پھینکتے رہتے ہیں۔ اس اوندھے نظام میں سب سے زیادہ مدد کا مستحق ملک کا سب سے بڑا دولت مند سا ہو کا رہے اور اس کی مدد کا فرض سب سے بڑھ کر جس شخص پر عائد ہوتا ہے وہ ملک کا وہ باشندہ ہے جو دن بھر اپنا خون پسینہ ایک کر کے کچھ روپیہ کما کر لائے اور پھر بھی اپنے نیم فاقہ کش بال بچوں کے لئے چٹنی اور روٹی کا انتظام کرنا اس پر حرام ہو، جب تک پہلے وہ اس چٹنی اور روٹی میں سے اپنے ملک کے سب سے بڑے قابل رحم

کروڑ پتی کا ''حق'' نہ نکال دے۔ (سود، مولفہ سید ابوالاعلیٰ مودودی)۔

۴۔حکومت کے بیرونی قرضے:

اب دیکھئے حکومت اپنے ملک سے باہر کے ساہوکاروں سے جو قرضے لیتی ہے اس میں کیا معاشی نقصانات ہیں؟ اس قسم کے قرضے عموماً کروڑوں سے گزر کر اربوں و کھربوں روپئے کے قرض ہوتے ہیں اور یہ قرضے حکومت عموماً ان حالات میں لیتی ہے جب ملک پر غیر معمولی مشکلات اور مصائب کا ہجوم ہوتا ہے اور خود ملک کے مالی ذرائع ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کافی نہیں ہوتے، اور کبھی اس لالچ سے بھی لیتی ہے کہ بڑا سرمایہ لے کر تعمیری کاموں پر لگانے سے اس کے وسائل جلدی ترقی کر جائیں گے۔ ان قرضوں کی شرح سود ۶، ۷ فیصدی سے ۹، ۱۰ فیصدی تک ہوتی ہے۔ اور اس شرح پر اربوں روپئے کا سالانہ سود ہی کروڑوں روپئے کا ہوتا ہے اور قرض دینے والا ملک ضمانت کے طور پر قرض لینے والی حکومت کے محاصل میں سے کسی محصول مثلاً شکر، نمک یا کسی اور مد کی آمدنی کو رہن رکھ لیتے ہیں۔

اس نوعیت کے سودی قرضے ان تمام خرابیوں کے حامل ہوتے ہیں جو اس سے پہلے ہم بیان کر آئے ہیں، مگر قرض کی یہ قسم ان سب کے ساتھ ایک اور خرابی اپنے اندر رکھتی ہے جو ان سب سے زیادہ خوفناک ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان قرضوں کی بدولت پوری پوری قوموں کی مالی حیثیت خراب اور معاشی حالت تباہ ہو جاتی ہے جس کا نہایت برا اثر ساری دنیا کی معاشی حالت پر پڑتا ہے۔ پھر ان کی بدولت قوموں میں عداوت اور دشمنی کے بیج پڑتے ہیں اور آخر کار انہی کی بدولت آفت رسیدہ قوموں کے نوجوان دل برداشتہ ہو کر انتہا پسندانہ سیاسی و تمدنی اور معاشی فلسفوں کو قبول کرنے لگتے ہیں اور اپنے قومی مصائب کا حل ایک خونی انقلاب یا تباہی خیز جنگ میں تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

جو قوم کوئی بڑی رقم اس طور پر سودی قرض لے لیتی ہے، بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ اس کی مشکلات رفع ہو جائیں جن سے نکلنے کے لئے اس نے یہ قرض لیا تھا۔ اس کے برعکس یہی قرض اس کی مشکلات میں مزید اضافہ کا موجب ہو جاتا ہے۔ قرض کی قسطیں اور سود ادا کرنے کے لئے اسے اپنے افراد پر بہت زیادہ ٹیکس لگانا پڑتا ہے اور مصارف میں بہت زیادہ کمی کرنی پڑتی ہے۔ اس سے ایک طرف قوم کے عوام میں بے چینی بڑھتی ہے، تو دوسری طرف اپنے ملک کے لوگوں پر اس قدر زیادہ بار ڈال کر بھی حکومت کے لئے قرض کی قسطیں اور سود باقاعدہ ادا کرتے رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر جب قرض دار ملک کی طرف سے ادائیگی میں مسلسل کوتاہی صادر ہونے لگتی ہے تو بیرونی قرض خواہ اس پر الزام لگانا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ بے ایمان ملک ہے، ہمارا روپیہ کھا جانا چاہتا ہے۔ ان کے اشاروں پر ان کے قومی اخبار اور عالمی میڈیا اس غریب ملک پر چوٹیں کرنے لگتے ہیں۔ قرض دار ملک اس پھندے سے نکلنے کے لئے کوشش کرتا ہے کہ ٹیکسوں میں مزید اضافہ اور مصارف میں مزید تخفیف کر کے کسی طرح جلدی سے اس سے چھٹکارا پائے، مگر اس سب کے باوجود قرض دار ملکوں کا حال کچھ اس طرح ہے، ذرا ٹھنڈے دل سے پڑھئے۔

۱۹۸۱ء میں پولینڈ نے یہ اعلان کیا کہ ۲۷ بلین ڈالر میں سے ۲ء۵ بلین ڈالر اس پر قرض ہیں جو اس کے پاس ادا کرنے کے لئے نہیں ہیں۔ اور اسی سال کے اگست مہینہ میں میکسیکو نے یہ اعلان کیا کہ وہ خارجی قرضوں کا سود جو ۸۰ بلین ڈالر ہے، ادا نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد برازیل نے اعلان کیا کہ وہ اپنے قرض جو ۸۷ بلین ڈالر سے زیادہ ہے، ادا کرنے سے قاصر ہے۔ نیز عالمی مالیاتی فنڈ (International Monetary Fund) آئی ایم ایف نے یہ اعلان کیا ہے کہ ۳۲ ملک ایسے ہیں جو ۱۹۸۱ء سے اپنے قرض ادا نہیں کر سکے ہیں۔ چند ملکوں کے قرضوں کا

گوشوارہ ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں:

۱۹۸۳ء کے قرضوں کی لسٹ (بلین میں)

نمبر شمار	ملک	ٹوٹل قرض ۱۹۸۲ء کے خاتمہ تک	۱۹۸۳ء تک قرضوں کی ادائیگی	قرضوں کی ادائیگی کا تناسب
۱۔	برازیل	۸۷	۳۰ء۸	۱۱۷٪
۲۔	میکسیکو	۸۰ء۱	۴۳ء۱	۱۲۶٪
۳۔	ارجنٹائن	۳۴ء۱	۱۸ء۴	۱۵۳٪
۴۔	شمالی کوریا	۳۶	۱۵ء۷	۴۹٪
۵۔	وینزویلا	۲۸	۱۹ء۹	۱۰۱٪
۶۔	اسرائیل	۲۶ء۷	۱۵ء۲	۱۲۶٪
۷۔	پولینڈ	۲۶	۷ء۸	۹۴٪
۸۔	روس (سوویت یونین)	۲۳	۱۲ء۲	۲۵٪
۹۔	مصر	۱۹ء۲	۶	۴۶٪
۱۰۔	یوگوسلاویہ	۱۹	۶	۴۱٪
۱۱۔	فلپائن	۱۶ء۶	۷	۷۹٪
۱۲۔	مغربی جرمنی	۱۴	۶ء۳	۸۳٪
۱۳۔	پیرو	۱۱ء۵	۳ء۹	۷۹٪
۱۴۔	رومانیا	۹ء۹	۵ء۵	۶۱٪
۱۵۔	نائیجریا	۹ء۳	۴ء۹	۲۸٪

۱۶۔	زائیر	۱ء۵	۲ء۱	۸۳٪
۱۷۔	زامبیا	۴ء۵	۲	۱۹۵٪

(ملاحظہ ہو کتاب الربا: مولفہ ڈاکٹر سلیمان الاشقر، الکویت)۔

قارئین کرام! کیا اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ نہیں فرمایا: ﴿**يَمحَقُ اللّٰـهُ الرِّبَا وَيُربِى الصَّدَقَاتِ**﴾ (البقرہ:۲۷۶) ''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے''۔ نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿**سَنُرِيهِم آيَاتِنَا فِي الآفَاقِ وَفِي اَنفُسِهِم حَتىّٰ يَتَبَيَّنَ لَهُم اَنَّهُ الحَقُّ**﴾ (الم السجدہ:۵۳) ''عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی، یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے''۔

نیز نبی کریم ﷺ نے بالکل سچ نہیں فرمایا: ﴿**اَلرِّبَا وَإن كَثُرَ فَإنَّ عَاقِبَتَهُ تَصِيرُ إلىٰ قُلٍّ**﴾ ''سود خواہ کتنا ہی زیادہ ہو، مگر اس کا آخری انجام قلت و کم ہونا ہے''۔ (مسند احمد: ۱/ ۳۹۵، حاکم ۲/ ۳۷ اور علامہ ذہبی نے صحت میں حاکم کی موافقت کی، نیز علامہ احمد شاکر نے اس کی سند کو حدیث نمبر ۳۷۵۴ میں صحیح قرار دیا ہے)۔

اور کیا یہ سب نتیجہ دیکھ لینے کے بعد بھی کوئی صاحب عقل و ہوش آدمی یہ ماننے میں تامل کرسکتا ہے کہ سود ایک ایسی برائی ہے جسے قطعی طور پر حرام ہونا چاہئے۔ کیا اس کے نقصانات اور یہ نتائج دیکھ لینے کے بعد بھی کسی کو نبی کریم محمد ﷺ کے اس ارشاد میں شک ہوسکتا ہے؟ ﴿**اَلرِّبَا سَبعُونَ حُوباً اَيسَرُهَا اَن يَنكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهُ**﴾ (ابن ماجہ: حدیث نمبر ۲۲۷۴، البانی: صحیح ابن ماجہ ۲/ ۲۷) ''سود اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کو اگر ستر حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کا ایک ہلکے سے ہلکا حصہ اس گناہ کے برابر ہوگا کہ ایک آدمی اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے''۔

محترم قارئین! سود کی یہ تفصیلات آپ کے سامنے ہیں، جن سے آپ کو بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا

کہ اسلام کی نگاہ میں سود کتنا بھاری جرم اور گناہ ہے اور وہ اپنے اندر کیا کیا برائیاں اور خرابیاں رکھتا ہے۔ اب ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں یہ سود کس قسم کے کاروبار میں پائے جاتے ہیں۔ پہلے ان کاروبار کے بارے میں پوری واقفیت حاصل کرتے ہیں، تاکہ یہ بالکل واضح ہو جائے کہ کس کاروبار میں سود پایا جاتا ہے اور کس میں نہیں۔ اور ایک موحد اور پکے سچے مسلمان کو کس قسم کا کاروبار کرنا چاہیئے اور کس قسم کے کاروبار سے دور رہنا چاہیئے۔

کاروبار کی مختلف قسمیں

Different kinds of Business

ملکیت کے لحاظ سے کاروبار کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ شخصی کاروبار **(Private Proprietorship)**۔

۲۔ شرکت **(Partnership)** ۔

۳۔ کمپنی **(Joint stock company)** ۔

پہلی دو قسموں کا کاروبار اس وقت سے جاری ہے جب سے انسان کاروبار کر رہا ہے۔ فقہاء اسلام نے بھی ان کی بنیادی تفصیلات اور ان کے احکام بیان کئے ہیں اور ان کی موجودہ صورت حال ماضی سے بنیادی طور پر مختلف نہیں۔ اس لئے یہاں ان کی تفصیلات کا ذکر نہیں ہوگا، بلکہ ہم صرف شرکت ومضاربت کی قسموں کو بیان کرنے پر اکتفا کریں گے۔ البتہ ''کمپنی'' کاروبار کی ایک نئی قسم ہے جس کا پہلے فقہاء کے دور میں وجود نہ تھا، اس لئے ہم اس کی تفصیلات زیادہ سے زیادہ بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

شرکت کی قسمیں

فقہائے اسلام نے شرکت کی درج ذیل قسمیں بیان کی ہیں:

۱۔شرکت مفاوضت:

فقہاء کی اصطلاح میں شرکت مفاوضت کی صورت یہ ہے کہ دو یا اس سے زائد آدمی اس بات پر اتفاق کریں کہ وہ کسی کاروبار میں اس شرط پر شریک ہوں گے کہ دونوں اپنا مال لگائیں گے اور کاروبار کے معاملہ میں دونوں ایک دوسرے کی طرف سے ہر طرح کے تصرف کے مجاز ہوں گے اور نفع میں دونوں حسب اتفاق شریک ہوں گے، جبکہ نقصان میں اپنے مال کے تناسب کے لحاظ سے شریک ہوں گے۔اس کے شرائط بڑے باریک ہوتے ہیں۔

۲۔شرکت عنان:

اس شرکت کی صورت یہ ہے کہ دو آدمی اپنے مال میں اس شرط کے ساتھ شریک ہوں کہ دونوں اس میں تجارت کریں گے اور نفع ونقصان میں اپنے مال کے تناسب کے حساب سے شریک ہوں گے۔اس میں اور شرکت مفاوضت میں فرق یہ ہے کہ شرکت مفاوضت میں ایک دوسرے کا وکیل وکفیل تمام صورتوں میں ہوتا ہے، جبکہ شرکت عنان میں مطلقاً مال میں تصرف نہیں کرسکتا، بلکہ عقد اتفاق کے قیود کے ساتھ تصرف کرسکتا ہے۔

۳۔شرکت ابدان یا شرکت اعمال:

اس کی صورت یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد کاریگر کسی مخصوص کام کرنے پر اس شرط پر اتفاق کرتے ہیں کہ دونوں کے کاموں کی اجرت حسب اتفاق آپس میں تقسیم کریں گے۔اس میں ایک ہی پیشہ کے چند آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور کئی مختلف پیشوں کے آدمی بھی شریک ہو سکتے ہیں، مثلاً بڑھئی اور درزی۔

۴۔شرکت وجوہ:

اس کی صورت یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد آدمی اپنے اثر ورسوخ کی بنیاد پر کوئی سامان ادھار خریدنے پر اتفاق کرتے ہیں، پھر اس مال میں تجارت کرتے ہیں اور مال والے کو اس کی قیمت ادا کرنے کے بعد جو نفع بچتا ہے اسے آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اور نقصان کی صورت میں برابر کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

۵۔شرکت مضاربت:

اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی اپنا مال دوسرے شخص کو تجارت کرنے کے لئے دے اور دونوں میں نفع حسب اتفاق تقسیم ہو۔ اگر تجارت میں نقصان ہو جائے تو صرف صاحب مال نقصان اٹھائے اور تجارت کرنے والا نقصان کا ذمہ دار نہ ہو، کیونکہ اس کی محنت کا ضائع ہو جانا ہی اس کا نقصان اٹھانا ہے۔

قارئین کرام! تجارت وکاروبار کی مذکورہ صورتوں کو شریعت اسلامی نے جائز قرار دیا ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص یا چند افراد اس قسم کا کاروبار کرنے پر اتفاق کرتے ہیں تو اسلام ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، کیونکہ ان میں سے کسی بھی صورت میں سود یا سود کا مادہ یا سود کی بو تک نہیں ہے۔ اب ہم کاروبار کی تیسری قسم ''کمپنی'' کی تفصیلات بیان کرتے ہیں:

کمپنی کا تعارف

کمپنی کا لغوی معنیٰ ''شرکت'' کے ہے اور کبھی ''رفقائے کار'' کو بھی کمپنی کہا جاتا ہے۔ یورپ میں صنعتی انقلاب رونما ہونے کے بعد سترہویں صدی کے آغاز میں بڑے بڑے کارخانے قائم کرنے کے لئے جب عظیم سرمایہ کی ضرورت پڑنے لگی جس کو کوئی ایک شخص یا چند افراد مل کر فراہم نہیں کر سکتے تھے، تو اس وقت عام لوگوں کی بچتیں یکجا کر کے ان سے اجتماعی

فائدہ اٹھانے کے لئے کمپنی کا نظام رائج ہوا۔اس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس نظام میں کئی افراد کے مجموعے کو ایک ''شخص قانونی'' قرار دیا جاتا ہے،اس ''شخص قانونی'' کو کارپوریشن کہا جاتا ہے،جس کی ایک قسم کمپنی ہے۔

کمپنی کی تشکیل:

سب سے پہلے ماہرین کے مشورہ سے ایک رپورٹ تیار کی جاتی ہے جس میں یہ طئے کیا جاتا ہے کہ جو کاروبار شروع کرنا ہے،اس کے امکانات کس حد تک ہیں؟ اس کے لئے وسائل اور سرمایہ کتنا درکار ہوگا ؟ اور تجارتی نقطہ نظر سے یہ کاروبار کس حد تک نفع بخش ہے؟ اس کو تقریر الامکانیات (Feasibility Report) کہتے ہیں۔ پھر کمپنی کا اجمالی ڈھانچہ تیار کیا جاتا ہے جس میں کمپنی کا نام،کاروبار کی نوعیت،مطلوبہ سرمایہ،ڈائرکٹرز،آئندہ کے لئے ان کے عزل ونصب کا طریقہ کار وغیرہ لکھا جاتا ہے۔اس کو مذکرہ (Memorandum) کہتے ہیں۔ پھر کمپنی کے انتظامی ضوابط لکھے جاتے ہیں جس کو (Article of Association) کہتے ہیں۔ میمورنڈم اور آرٹیکلز آف ایسوسی ایشن کے ساتھ حکومت کو کمپنی کا لائسنس برآمد کرنے کے لئے درخواست دی جاتی ہے،جب وزارت خزانہ کے ذیلی ادارہ (Corporate law Authority) کی طرف سے لائسنس مل جاتا ہے تو اب کمپنی وجود میں آجاتی ہے،اور قانون اب اس کو ایک ''فرضی شخص'' قرار دے دیتا ہے جو خرید وفروخت کرے گا، مدعی ومدعا علیہ بنے گا اور دائن ومدیون بھی ہوگا،اس کو (Legal Person, or Juridical Person) کہتے ہیں۔

جب کمپنی وجود میں آگئی تو اب لوگوں کو حصہ دار بننے کی دعوت دینے کے لئے قانوناً ضروری ہے کہ کمپنی کا پورا طریق کار اور اس کا ترکیبی ڈھانچہ شائع کرایا جائے،تاکہ عوام کو بھی اس کمپنی پر اعتماد ہوسکے۔لوگوں کو کمپنی کے بنیادی طریق کار اور متعلقہ امور سے واقف کرانے

کے لئے جوتحریری بیان شائع کیا جاتا ہے، اسے پراسپیکٹس (Prospectus) کہتے ہیں۔

حکومت جب کمپنی کو اجازت (لائسنس) دیتی ہے تو سرمایہ کی تحدید کرتی ہے کہ اتنے سرمائے کے حصے جاری کئے جاسکتے ہیں، یا اتنے سرمائے میں لوگوں کو شرکت کی دعوت دی جاسکتی ہے، اس کو (Authorised Capital) کہتے ہیں، مثلاً کمپنی کو ۱۰۰ ملین روپئے سے کاروبار کی اجازت ملی تو ۱۰۰ ملین روپئے ''منظور شدہ سرمایہ'' (Authorised Capital) کہلاتا ہے۔ اس میں ۲۰ ملین کمپنی قائم کرنے والوں کے ذمہ ہے، اس کو (Sponsor's Capital) کہتے ہیں۔ ۸۰ ملین عوام سے وصول کرنا ہے، جس میں سے فی الحال ۶۰ ملین روپئے کے حصص جاری کئے جاتے ہیں۔ باقی آئندہ کی کسی ضرورت کے لئے محفوظ رکھ لئے جاتے ہیں۔ یہ ۶۰ ملین روپئے ''جاری کردہ سرمایہ'' (Issued Capital) ہے۔ ۶۰ ملین روپئے میں سے لوگوں نے ۵۰ ملین روپئے کے لئے فارم جمع کئے، یہ ''اشتراک کردہ سرمایہ'' (Subscribed Capital) کہلاتا ہے۔

جب لوگ کمپنی کے حصے لے کر سرمایہ دے دیتے ہیں تو حصہ دار کو کمپنی ایک سٹرفکیٹ جاری کرتی ہے جو اس بات کی سند ہوتی ہے کہ اس شخص کا کمپنی میں اتنا حصہ ہے، اس کو شیئر (Share) کہتے ہیں۔ کاروبار جتنے سرمائے سے جاری کیا جاتا ہے، اس سرمائے کو اکائیوں میں تقسیم کرکے ایک اکائی کو ایک حصہ (Share) کی قیمت قرار دی جاتی ہے، مثلاً آج کل عموماً دس دس روپئے کے شیئرز جاری کئے جاتے ہیں۔ یہ قیمت شیئر کے اوپر لکھ دی جاتی ہے، اس قیمت کو (Face Value) کہتے ہیں۔

یہ شیئر خریدا اور بیچا جاسکتا ہے، اس کے لئے بازار حصص (Stock Exchange) قائم کئے گئے ہیں۔

منافع کی تقسیم:

کمپنی سال بھر کاروبار کرنے کے بعد سالانہ نفع کا حساب لگاتی ہے اور یہ طئے کرتی ہے کہ

کتنا نفع ہوا؟ اس کے بعد منافع کا کچھ حصہ بطور احتیاط محفوظ کر دی جاتی ہے، تا کہ آئندہ کمپنی کو کوئی نقصان ہو، تو اس سے اس کا تدارک کیا جا سکے، اس کو (Reserve) کہتے ہیں۔ احتیاطی نکالنے کے بعد بقیہ نفع شیئر ہولڈرز میں تقسیم ہوتا ہے۔ تقسیم کے دو طریقے ہوتے ہیں، کبھی تو نقد نفع لوگوں کو فراہم کر دیا جاتا ہے، اور کبھی اس نفع کے دوبارہ حصص جاری کر دیئے جاتے ہیں، اس کو (Bonus Share) کہتے ہیں۔

محترم قارئین! یہ ہے کمپنی کا مختصر خاکہ، چونکہ بینک بنیادی طور پر جوائنٹ اسٹاک کمپنی ہے، اس لئے کمپنی کی تفصیلات بیان کرنی پڑی، ورنہ بینک صرف روپئے کے لین دین کا کاروبار کرتا ہے۔ اسے صنعت وحرفت، کاشتکاری، تعمیراتی اسکیم اور نفع آور کاموں کے کاروبار میں کوئی دلچسپی نہیں، وہ صرف صنعتکاروں، کاشتکاروں اور کمپنیوں کو سود پر سرمایہ فراہم کرتا ہے، جبکہ کمپنیاں مختلف صنعتوں، کاشتکاری، تعمیراتی کام اور نفع آور اسکیموں کو براہ راست انجام دیتی ہیں۔ آیئے اب بینک کے بارے میں واقفیت حاصل کرتے ہیں، تا کہ آپ کو بینک کے بارے میں پوری بصیرت حاصل ہو۔

بینک کی تعریف

لفظ بینک (Bank) اٹلی زبان کے لفظ (Banco) سے ماخوذ ہے، جس کا معنیٰ اٹلی زبان میں ڈسک (Desk) یا ٹیبل (Table) کے ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں روپئے کے اس طرح کے کاروبار کرنے والے ڈسک یا ٹیبل لگا کر بیٹھتے تھے، اس لئے اس کا نام بینک مشہور ہو گیا۔

کاروباری اصطلاح میں ''بینک'' ایک ایسے تجارتی ادارہ کا نام ہے جو لوگوں کی رقمیں اپنے پاس جمع کر کے تاجروں، صنعتکاروں اور دیگر ضرورت مند افراد کو قرض فراہم کرتا ہے۔ آج کل روایتی بینک ان قرضوں پر سود وصول کرتے ہیں اور اپنے امانت داروں کو کم

شرح پر سود دیتے ہیں اور سود کا درمیانی فرق بینک کا نفع ہوتا ہے۔

بینک کا تاریخی پس منظر

مغربی ملکوں میں اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ لوگ اپنا سونا سناروں کے پاس بطور امانت رکھتے تھے اور سنار اس کی رسید لکھ دیتے تھے، جس میں یہ صراحت ہوتی تھی کہ رسید بردار کا اتنا سونا فلاں سنار کے پاس محفوظ ہے۔ پھر رفتہ رفتہ یہ رسیدیں خرید وفروخت اور قرضوں کی ادائیگی اور آپسی لین دین میں ایک آدمی سے دوسرے آدمی کی طرف منتقل ہونے لگیں، کیونکہ رسید دکھا کر سنار کے پاس سے سونا نکلوانے کی بہ نسبت یہ رسید دوسرے آدمی کے حوالہ کر دینا زیادہ آسان تھا اور رسید حوالے کر دینے کا معنیٰ گویا سونا حوالہ کر دینا تھا۔ اس طرح لوگ اصل سونا واپس لینے کے لئے کم آتے تھے۔ اب تجربہ سے سناروں کو معلوم ہوا کہ لوگوں کی امانتوں کا جو سونا ان کے پاس جمع ہے اس کا بمشکل دسواں حصہ نکلوایا جاتا ہے اور باقی نو حصے ان کی تجوریوں میں بیکار پڑے رہتے ہیں، چنانچہ انہوں نے یہ سونا لوگوں کو قرض دے کر اس پر سود وصول کرنا شروع کر دیا۔ پھر جب یہ دیکھا کہ لوگ عموماً رسیدوں ہی سے معاملات کرتے ہیں اور سونا واپس لینے نہیں آتے تو سناروں نے وہ اصل سونا قرض پر دینے کے بجائے اس کی قوت پر کاغذی رسیدیں چلانے لگے۔ اور چونکہ انہیں تجربہ سے معلوم ہو چکا تھا کہ محفوظ سونے کا صرف دسواں حصہ ہی عموماً واپس مانگا جاتا ہے، اس لئے انہوں نے باقی نو حصوں کی قوت پر نو کی نہیں بلکہ نوے حصوں کی جعلی رسیدیں بنا کر زر کاغذی کی حیثیت سے چلانی اور قرض دینی شروع کر دیں۔ اس بات کو اس طرح سمجھئے کہ ایک سنار کے پاس ایک شخص نے سو روپئے کا سونا جمع کرایا، تو سنار نے سو سو روپئے کی دس رسیدیں بنائیں جن میں سے ہر ایک پر لکھا کہ اس رسید کے پیچھے سو روپئے کا سونا میرے پاس جمع ہے۔ ان دس رسیدوں میں سے ایک اس نے سونا جمع کرانے والے کے حوالہ کی اور باقی نو سو

روپے کی نو رسیدیں دوسرے لوگوں کو قرض دیں اور اس پر ان سے سود وصول کرنا شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا، وہ یہ کہ جس دور میں یہ جدید ساہوکاری اس جعلی سرمایہ سے طاقت پکڑ کر سر اٹھا رہی تھی، یہ وہی دور تھا جب مغربی یورپ میں ایک طرف صنعت اور تجارت سیلاب کی سی شدت کے ساتھ اٹھ رہی تھی، دوسری طرف تمدن وتہذیب کی ایک نئی عمارت اٹھ رہی تھی جو یونیورسٹی سے لے کر میونسپلٹی تک زندگی کے ہر شعبہ کی تعمیر جدید چاہتی تھی اور جس کے لئے سرمایہ کی ضرورت تھی۔ جب سنار ساہوکاروں نے دیکھا کہ لوگ اپنے سرمایہ کو کاروبار میں لگانے لگے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ آپ لوگ اس زحمت میں کہاں پڑتے ہیں، اس طرح تو آپ کو خود حساب وکتاب رکھنا ہوگا، آپ نقصان کے خطرے میں بھی پڑیں گے اور نفع کا اتار چڑھاؤ آپ کی آمدنی پر اثر انداز ہوتا رہے گا، اس کے بجائے آپ اپنی رقمیں ہمارے پاس جمع کرائیے، ہم اس کی حفاظت بھی کریں گے، ان کا حساب کتاب بھی مفت رکھیں گے اور آپ سے کچھ لینے کے بجائے الٹا آپ کو سود دیں گے۔ اس نئی چال سے ۹۰ فیصدی بلکہ اس سے بھی زیادہ پس انداز رقمیں براہ راست معیشت وتمدن کی طرف جانے کے بجائے ساہوکار کے دست تصرف میں چلی گئیں، اور قریب قریب پورے قابل حصول سرمائے پر اس کا قبضہ ہوگیا۔ اب صورت حال یہ ہوگئی کہ ساہوکار اپنے جعلی سرمائے کو تو سود پر چلا ہی رہے تھے، دوسروں کا سرمایہ بھی اس نے سستی شرح سود پر لے کر زیادہ شرح سود پر قرض دینا شروع کر دیا۔ پھر اس کے بعد اس گروہ نے تیسرا قدم بڑھایا، اس نے سوچا کہ جس طرح کاروبار کے سارے شعبوں میں مشترک سرمائے کی کمپنیاں بن رہی ہیں، روپیے کے کاروبار کی بھی کمپنیاں بنائی جائیں اور بڑے پیمانے پر ان کی تنظیم کی جائے۔ اس طرح یہ بینک وجود میں آئے جو آج تمام دنیا کے نظام مالیات پر قابض ومتصرف ہیں۔ (سود مولفہ سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ)۔

آپ کی دل چسپی اور معلومات میں اضافہ کے لئے یہ بھی ذکر کرتے چلیں کہ دنیا کا پہلا بینک شہر وینس میں ۱۱۵۷ء کو (Banacodella Pizzadi Riaalro) کے نام سے وجود میں آیا۔ پھر اس کے بعد ۱۴۰۱ء کو شہر ''بارسلونا'' میں امانت جمع کرنے والا بینک قائم کیا گیا، اور اس کے بعد پھر بینک کا سلسلہ پوری دنیا میں رائج ہوگیا۔ (موقف الشريعة من المصارف المعاصرة ص۲۲و۲۳)۔

بینک کی قسمیں (باعتبار تمویل)

بینک کی کئی قسمیں ہیں، بعض بینک خاص شعبوں میں تمویل کرتے ہیں اور بعض عمومی تمویل کرتے ہیں، اس طرح بینک کی درج ذیل قسمیں ہیں:

۱۔ زرعی بینک(Agricultural Bank):

یہ بینک زراعت کے شعبہ میں قرض فراہم کرتا ہے۔

۲۔ صنعتی بینک(Industrial Bank):

اس کا کام صنعتی ترقی کے لئے قرضے فراہم کرنا ہے۔

۳۔ ترقیاتی بینک(Development Bank):

جو کسی بھی شعبہ میں ترقیاتی کاموں کے لئے قرضے دیتا ہے۔

۴۔ کوآپریٹو بینک(Co-operative Bank):

یہ بینک امداد باہمی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے، اس کا دائرہ کار ممبران تک محدود ہوتا ہے، جو لوگ اس کے ممبر ہوتے ہیں، انہی کے ڈپازٹ ہوتے ہیں اور ان ہی کو قرض دیا جاتا ہے۔

۵۔ استثماری بینک(Investment Bank):

اس میں ڈپازٹ متعینہ مدت کے لئے ہوتے ہیں۔ عام کرنٹ اکاؤنٹ یا سیونگ اکاؤنٹ اس میں نہیں ہوتے، صرف فکسڈ ڈپازٹ (Fixed Deposit) ہوتے ہیں اور قرضے بھی محدود

مدت تک کے لئے جاری کئے جاتے ہیں، اس سے کم مدت کے لئے قرضے نہیں دیئے جاتے۔

مذکورہ پانچوں بینکوں کا دائرہ کار محدود ہوتا ہے۔

۶۔ کمرشیل بینک(Commercial Bank):

جو بینک عمومی تمویل کا کام کرتے ہیں اور کسی شعبہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتے۔

۷۔ ریزرو بینک(Reserve Bank):

یہ ملک کا انتہائی اہم ادارہ ہوتا ہے جو تمام تجارتی بینکوں کا نگراں ہوتا ہے۔ ملک کے مالیاتی نظام میں اس کا بہت اہم کردار ہوتا ہے۔اس بینک کے درج ذیل وظائف ہوتے ہیں:

ا۔ یہ حکومت کا بینک کا ہوتا ہے،حکومت کی رقمیں اس میں جمع رکھی جاتی ہیں،مگر حکومت کی رقموں پر یہ بینک حکومت کو سود نہیں دیتا اور بوقت ضرورت حکومت کو قرضہ بھی دیتا ہے اور اس سے معمولی شرح پر سود بھی لیتا ہے۔

۲۔ ریزرو بینک حکومت کا معاشی پالیسیوں میں مشیر بھی ہوتا ہے۔

۳۔ ریزرو بینک زرمبادلہ کو محفوظ رکھتا ہے، اس کو ذخیرہ کرتا ہے اور بوقت ضرورت اس کا اجراء بھی کرتا ہے۔

۴۔ ریزرو بینک کے سب سے اہم کردار دو ہیں:

ایک یہ کہ تمام تجارتی بینکوں کی نگرانی کرتا ہے اور ان کا نظم وضبط برقرار رکھتا ہے تا کہ ان سے مالیاتی فوائد حاصل ہوں اور نقصانات کے پہلو کا سدباب ہو۔

دوسرا یہ کہ یہ بینک ملک میں زر کے بہاؤ کو کنٹرول کرتا ہے۔اگر ملک میں افراط زر زیادہ ہو تو ایسے طریقے اختیار کرتا ہے جس سے زر سکڑنا شروع ہو جائے، اور اگر تفریط زر کی صورت حال ہو، تو ایسے کام کرے جس سے زر کا پھیلاؤ بڑھے۔ زر کو پھیلانے اور سکیڑنے کے لئے کئی

طریقے ہو سکتے ہیں:

(الف) ریزرو بینک تجارتی بینکوں کو جس شرح سود پر قرضہ دیتا ہے، اس کو بینک ریٹ (Bank Rate) کہتے ہیں۔ یہ بینک ریٹ بھی زر کے بہاؤ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب ریزرو بینک شرح سود زیادہ کرے گا، تو اب تجارتی بینکوں کو زیادہ سود پر قرض ملے گا۔ لہٰذا وہ خود بھی عوام کو زیادہ سود پر قرضہ دیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ قرضہ کم لیں گے۔ جب لوگ قرضہ کم لیں گے تو بینک کا تخلیق زر کا عمل کم ہوگا اور زر کی گردش کم ہو جائے گی۔ اس کے برعکس ریزرو بینک شرح سود کو گھٹائے گا تو تجارتی بینک بھی گھٹا دیں گے، جس کے نتیجہ میں لوگ قرض زیادہ لیں گے اور تخلیق زر کا عمل زیادہ ہو کر زر کی رسد بڑھے گی۔

(ب) حکومت کو جب رقم کی ضرورت ہوتی ہے تو رقم حاصل کرنے کے لئے حکومت مختلف قرضوں کی دستاویزات جاری کرتی ہے، جن کو ''سرکاری تمسکات'' کہتے ہیں۔ تجارتی بینکوں سے رقم وصول کرنے کے لئے ریزرو بینک ایک بل جاری کرتا ہے جس کو انگریزی میں ٹریژری بل (Treasury Bill) کہتے ہیں۔ ایک بل کی لکھی ہوئی قیمت (Face Value) سو روپئے ہوتی ہے۔ یہ بل عموماً چھ ماہ کے لئے جاری ہوتے ہیں اور بذریعہ نیلام بیچے جاتے ہیں۔ ان کے ابتدائی خریدار صرف تجارتی بینک ہی ہوتے ہیں۔ نیلام کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ریزرو بینک اعلان کر دیتا ہے کہ اتنی رقم مثلاً ایک ارب روپئے کے ٹریژری بل جاری کئے جا رہے ہیں۔ ہر بینک بتاتا ہے کہ میں اتنی قیمت پر اتنے بل خریدنا چاہتا ہوں۔ آج کل اس کا ریٹ عموماً ۱۳ یا ۱۴ فیصد ہے، یعنی سو روپئے کا بل عموماً ۸۶، ۸۷ روپئے میں فروخت ہوتا ہے۔ اب جس بینک نے یہ بل ۸۶ روپئے میں خریدا وہ چھ ماہ کے بعد اس کے پورے سو روپئے وصول کرلے گا اور چودہ روپئے اس کے سود یا نفع ہوں گے۔

جب زر کا پھیلاؤ کم کرنا ہوتو ریزروبینک ٹریژری بل کم قیمت پر فروخت کرنے کی آمادگی ظاہر کرتا ہے، جس کے نتیجہ میں تجارتی بینک اپنا سرمایہ دے کر بل خریدنے لگتے ہیں اور بینکوں کا زرریزروبینک میں واپس ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ بینکوں کے پاس سرمایہ کم ہوجاتا ہے اور قرضوں کی فراہمی کم ہوکر تخلیق زر کا عمل بھی کم ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر زر کا پھیلاؤ بڑھانا ہوتو ریزروبینک ٹریژری بل زیادہ قیمت پر خریدنے کے لئے کھلے بازار میں آجاتا ہے۔ لوگ بل بیچ کر ریزروبینک سے رقم لے لیتے ہیں، تو زر پھیل جاتا ہے۔

(ج) ریزروبینک نوٹ چھاپ کر بھی زر کے بہاؤ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ (اسلام اور جدید معیشت وتجارت)۔

۸۔ عالمی مالیاتی فنڈ (International Monetary Fund):

جسے مختصراً (IMF) بھی کہتے ہیں۔ یہ ۱۹۴۸ء میں وجود میں آیا۔ جس طرح ایک ملک کے کئی بینکوں کا ایک مرکزی بینک ''ریزروبینک'' ہوتا ہے، ایسے ہی کئی ممالک کے ریزروبینکوں کا مرکزی بینک یہ ادارہ ہے۔ گویا یہ پوری دنیا کا ایک مرکزی بینک ہے جو وقتی ادائیگی کے لئے ملکوں کو قلیل المیعاد قرضے دیتا ہے۔ کبھی کسی ملک کی مالی حالت تو مستحکم ہوتی ہے، مگر وقتی طور پر کسی تجارت کی ادائیگی کے لئے نقد پیسے اس کے پاس نہیں ہوتے۔ ایسے موقع پر یہ ادارہ قرضہ فراہم کرتا ہے۔

اس ادارہ میں ہر ملک کا ایک کوٹا (Quota) ہوتا ہے۔ یہ کوٹا اس ملک کی تجارت کا عالمی تجارت کے ساتھ تناسب دیکھ کر مقرر کیا جاتا ہے، مثلاً عالمی تجارت ایک ارب ڈالر کی ہوئی اور کسی ملک کی تجارت پانچ کروڑ ڈالر کی ہے، تو اس ملک کو پانچ فیصد کوٹا ملے گا۔ ہر ملک اپنے کوٹے کا ۲۵٪ سونے میں اور ۷۵٪ اپنے ملک کی کرنسی میں اس ادارے کے پاس جمع کراتا

ہے۔اس طرح (IMF) کے پاس کچھ سونا اور تمام ملکوں کی کرنسیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ ہر ملک کو (IMF) میں فنڈ جمع کرانے پر ادارہ سے قرض لینے کا حق ملتا ہے، جسے انگریزی میں (Drawing Rights) کہتے ہیں۔ پھر (Drawing Rights) پر جو قرضہ ملتا ہے، اس کو کئی حصوں میں تقسیم کرلیا جاتا ہے، ہر حصہ کو (Tranche) کہتے ہیں۔ پہلی ٹرانچ اس قرضہ کا ۲۵ ٪ فیصد ہوتا ہے جو بلاکسی شرط کے ملتا ہے اور سود بھی کم ہوتا ہے۔ اس کے بعد والی ٹرانچوں میں شرائط اور پابندیاں بھی زیادہ اور اسی تناسب سے سود بھی بڑھتا جاتا ہے۔

۹۔ عالمی بینک (International Bank for Reconstruction and Development):

پہلے اس کا پورا نام یہی تھا مگر اب اس کا مختصر نام (World Bank) ہے اور اب اسی نام سے مشہور ہے۔ اس ادارہ میں اور (IMF) میں فرق یہ ہے کہ (IMF) قلیل المیعاد قرضے دیتا ہے، جس کی مدت تین سے پانچ سال تک ہوتی ہے۔ اور ورلڈ بینک طویل المیعاد قرضے دیتا ہے جس کی مدت پندرہ سے تیس سال ہوتی ہے۔ ابتدا میں اس ادارہ نے مشروعات (Projects) کے لئے قرضے دیئے۔ لیکن اب یہ ادارہ پالیسی ساز قرضے دیتا ہے۔ یعنی یوں شرط رکھتا ہے کہ اگر تم اپنے ملک کی پالیسی اس طرز کی بناؤ تو اتنا قرضہ ملے گا اور اس طرز کی بناؤ تو اس سے زیادہ ملے گا۔

بینک کا قیام

بینک بنیادی طور پر جوائنٹ اسٹاک کمپنی (Joint Stock Company) ہے۔ بینک لوگوں کو اپنی امانتیں جمع کرانے کی دعوت دیتا ہے، جسے انگریزی میں ڈپازٹ (Deposits) کہتے ہیں۔ ڈپازٹ کی کئی قسمیں ہوتی ہیں:

ا۔ کرنٹ اکاؤنٹ (Current Account):

اس میں رکھی ہوئی رقم پر سود نہیں ملتا، اس اکاؤنٹ میں رکھی ہوئی رقم کسی بھی وقت، جتنی

مقدار میں چاہیں بغیر کسی پابندی کے نکلوائی جاسکتی ہے۔

۲۔بچت کھاتہ(Saving Account):

اس میں رقم نکلوانے پر عموماً مختلف پابندیاں ہوتی ہیں۔اس پر بینک سود دیتا ہے۔

۳۔فسکڈ ڈپازٹ(Fixed Deposit):

اس میں مقررہ مدت سے پہلے رقم واپس نہیں لی جاسکتی۔اس میں بھی بینک سود دیتا ہے اور سود کی شرح مدت کے مطابق ہوتی ہے۔طویل مدت میں شرح سود زیادہ ہوتی ہے اور کم مدت پر شرح کم ہوتی ہے۔

جب مذکورہ تینوں قسم کے ڈپازٹ سے بینک کے پاس سرمایہ جمع ہوتا ہے اور کچھ بینک کا ابتدائی سرمایہ بھی ہوتا ہے،تو ان تمام سرمائے کو استعمال کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس سرمائے کا ایک مقررہ حصہ سیال شکل میں ریزرو بینک کے پاس جمع کرانا ضروری ہوتا ہے۔ریزرو بینک میں یہ سرمایہ عموماً ایسے سرکاری تمسکات(Government Securities) کی شکل میں رہتا ہے جو بآسانی نقد میں تبدیل کئے جاسکیں اور ان پر کچھ سود بھی ملتا رہے۔ پھر بینک کچھ سیال سرمایہ(Liquid Money) اپنے پاس بھی رکھتا ہے تاکہ ڈپازیٹر کے مطالبات پورے کرسکے۔

بینک کے وظائف

بینک سرمایہ جمع کرنے کے بعد کئی وظائف ادا کرتا ہے،مثلاً تمویل وسرمایہ کاری،تخلیق زر، درآمد وبرآمد میں واسطہ بننا وغیرہ۔یہاں ان وظائف کی قدرے تفصیل دی جاتی ہے:

ا۔تمویل(Financing):

بینک کا سب سے اہم کام لوگوں کو ان کی ضروریات،خصوصاً تجارتی ضروریات کے لئے قرضے فراہم کرنا ہے۔ بینک کبھی طویل المیعاد قرضے جاری کرتا ہے،ایسے قرضوں کو انگریزی

میں(Long Term Credit) کہتے ہیں۔اور کبھی قصیر المیعاد قرضے جاری کرتا ہے جو عموماً تین ماہ یا چھ ماہ تک کے لئے ہوتے ہیں، جسے انگریزی میں(Short Term Credit) کہتے ہیں۔

قرض دینے کا طریق کار:

بینکوں کے قرضے دینے کا غیر محدود اختیار نہیں ہوتا کہ جہاں چاہیں اور جتنی مقدار میں چاہیں قرض فراہم کریں، بلکہ ریزرو بینک کی طرف سے ایک حد مقرر ہوتی ہے، اس کے پابند رہتے ہوئے بینک قرضے فراہم کرسکتے ہیں۔ اس حد کو انگریزی میں (Credit Ceiling) کہتے ہیں۔مثلاً آج کل ریزرو بینک کی طرف سے جو ہدایت ہے وہ یہ ہے کہ بینک اپنی تمام امانتوں کا چالیس فیصد (۴۰٪) تو ریزرو بینک کے پاس رکھواتا ہے جس کو انگریزی میں (Liquidity Reserve) کہتے ہیں۔اور پانچ فیصد (۵٪) بینک اپنے پاس نقد کی شکل میں رکھتا ہے۔اور تیس فیصد (۳۰٪) کی حد تک پرائیویٹ افراد یا اداروں کو قرض فراہم کرسکتا ہے۔ باقی پچیس فیصد (۲۵٪) سے یا تو سرکاری تمسکات(Government Securities) خریدے، یا سرکاری اداروں کو قرضہ فراہم کرے۔

(Credit Ceiling) کے اندر رہتے ہوئے بینکوں کے قرض دینے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے بینک یہ جائزہ لیتا ہے کہ جو شخص قرض لینا چاہتا ہے وہ مدت مقررہ پر قرض واپس بھی کردے گا، یانہیں؟ اس کی جائدادیں اور مملوکات کیا ہیں؟ جائزہ لینے کے بعد بینک ایک حد مقرر کردیتا ہے کہ اتنی مدت میں ہم اتنا قرض دینے کے لئے تیار ہیں جو حسب ضرورت وقتاً فوقتاً لیا جاسکے گا۔قرض کی حد مقرر کرنے کو انگریزی میں(Sanctiont of the Limit) کہتے ہیں۔اس تحدید کے بعد اس شخص کے لئے بینک میں اکاؤنٹ کھول دیا جاتا ہے۔اس اکاؤنٹ سے جب چاہے اور جتنا چاہے قرض لے سکتا ہے۔اس اکاؤنٹ کھولنے پر بینک بہت خفیف شرح سے سود

بھی لیتا ہے، مثلاً (۵٪) اور جب وہ قرض لے لیتا ہے تو اب باقاعدہ شرح سے سود لیا جاتا ہے۔

درآمد و برآمد میں بینک کا کردار:

بینک کے وظائف میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ بین الاقوامی تجارت میں ایک لازمی ذریعہ ہے۔ بینک کی وکالت اور معرفت کے بغیر درآمد(Import) اور برآمد(Export) ممکن نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے ملک سے کوئی چیز درآمد (Import) کرنا چاہتا ہے، تو دوسرے ملک کا تاجر اس بات کا اطمینان چاہتا ہے کہ جب میں مطلوبہ سامان خریدار کو بھیجوں گا، تو وہ واقعتاً قیمت کی ادائیگی کر دے گا۔ لہٰذا درآمد کنندہ برآمد کنندہ کو اعتماد دلانے کے لئے بینک سے ایک ضمانت نامہ حاصل کرتا ہے جس میں بینک بیچنے والے کو اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ یہ چیز فلاں شخص کو فروخت کر دی جائے تو ادائیگی کا ذمہ دار میں ہوں گا۔ اس کو انگریزی میں(Letter of Credit) کہتے ہیں اور اسے مختصراً (LC) بھی کہتے ہیں۔ بینک (LC) کھول کر برآمد کنندہ کے بینک کو بھیج دیتا ہے۔ برآمد کنندہ کے بینک کو (Negotiating Bank) کہتے ہیں۔ ایل سی پہنچنے کے بعد وہاں سے مال جہاز میں بک کرادیا جاتا ہے اور جہازراں کمپنی مال بک ہونے کی رسید جاری کرتی ہے جسے (Bill of Lading) کہتے ہیں۔ برآمد کنندہ کا بینک یہ بل آف لیڈنگ بمعہ متعلقہ کاغذات کے ایل سی کھولنے والے بینک کو بھیج دیتا ہے۔ درآمد کنندہ اپنے بینک سے یہ کاغذ وصول کر کے ایل سی سے اس کی مطابقت کرتا ہے۔ اگر کاغذات کی تفصیل ایل سی کے موافق ہو تو یہ کاغذات دکھا کر بندرگاہ سے مال وصول کیا جاتا ہے۔ اور بینک عموماً یہ کاغذات درآمد کنندہ کو اس وقت دیتا ہے جب وہ قیمت کی ادائیگی کر دے۔

تخلیق زر کا عمل:

بینک کا ایک اہم کردار یہ ہے کہ بینک پہلے سے موجود زر میں اضافہ کر کے زر کے پھیلاؤ کو

بڑھتا ہے اور زر کی رسد میں اضافے کا کام انجام دیتا ہے، اس کو ''تخلیق زر'' کہتے ہیں۔ ذیل میں اس کی تفصیل دی جاتی ہے۔

جب لوگ بینک سے قرض لیتے ہیں تو نقد کی شکل میں لینا ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ قرض دینے کی عموماً صورت یہ ہوتی ہے کہ بینک قرض لینے والے کا اکاؤنٹ کھول کر اس کو چیک بک دے دیتا ہے، تاکہ بوقت ضرورت چیک جاری کر کے بذریعہ چیک ادائیگی کر سکے۔ مثلاً کسی نے بینک سے ایک لاکھ روپئے کا قرضہ لیا، تو بینک اس کو نقد ایک لاکھ روپیہ دینے کے بجائے ایک لاکھ روپئے کا اس کے نام اکاؤنٹ کھول کر چیک بک اس کو دے دیتا ہے۔ اب اس کو جب بھی کہیں کسی رقم کی ادائیگی کرنی ہوگی، تو وہ چیک جاری کر کے ادائیگی کرے گا۔ ان دو باتوں کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ بینک کے پاس جتنے نوٹ موجود ہوتے ہیں، اس سے کئی گنا زیادہ کا فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب کسی بینک کے پاس کچھ نوٹ آئے تو بینک ریزرو بینک کا ریزرو نکال کر باقی رقم لوگوں کو قرض دے دے گا۔ جس نے قرض لیا وہ یا تو نقد لے گا ہی نہیں، بلکہ اکاؤنٹ کھلوا کر چیک بک لے گا، یا لے کر دوبارہ اسی بینک میں رکھوائے گا، اس سے جتنی رقم کا مزید اکاؤنٹ کھولا گیا زر میں اتنا اضافہ ہوا، حالانکہ نوٹ اتنے ہی ہیں جتنے رکھے گئے تھے۔ پھر قرض دار کا اکاؤنٹ کھولنے سے جو نیا ڈپازٹ بینک کے پاس آیا ہے، اس میں سے بھی ریزرو نکال کر باقی رقم بینک آگے قرض دے دے گا، جو شخص قرض لے گا وہ پھر بینک میں رکھوائے گا، تو اس سے زر میں مزید اضافہ ہوگا۔ اس طرح زر میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا، اسی کو ''تخلیق زر'' کہتے ہیں۔

مثلاً کسی بینک میں کسی شخص نے ۱۰۰ روپئے رکھے۔ بینک نے اس میں سے بیس فیصد یعنی بیس روپئے ریزرو بینک کو دے کر باقی ۸۰ روپئے کسی کو قرض دے دیئے۔ اس نے یہ ۸۰ روپئے پھر اسی

بینک میں رکھ دیئے، تو اب بینک کے پاس کل ایک سواسی روپے کے ڈپازٹ ہو گئے۔ اس کا بیس فیصد یعنی چھتیس روپے (جس میں سے بیس روپے پہلے دے چکا ہے، اس لئے مزید سولہ روپے) ریزرو بینک کو دے کر باقی ۶۴ روپے پھر کسی کو قرض دے گا، اور وہ بھی اسی بینک میں رکھوائے گا، تو بینک کے ڈپازٹ میں ۶۴ روپے کا اضافہ ہو جائے گا اور بینک کے پاس ۲۴۴ روپے کے ڈپازٹ ہو جائیں گے۔ اس رقم کا بیس فیصد یعنی ۴۸ء۸۰ روپے جس میں چھتیس روپے پہلے دے چکا ہے، مزید ۱۲ء۸۰ روپے ریزرو بینک کو دے کر باقی ۵۱ء۲۰ کا پھر قرض دے گا اور وہ شخص دوبارہ اسی بینک میں رکھ دے گا۔ اس طرح اب بینک کے پاس ۲۹۵ء۲۰ روپے کے ڈپازٹ ہو گئے۔ اس طرح بینک مزید قرض دیتا رہتا ہے، یہاں تک کہ رقم ختم ہو جاتی ہے۔ اس مثال میں بینک کے پاس سو روپے تھے، مگر اس سے فائدہ ۲۹۵ روپے کا حاصل کیا جا رہا ہے۔ ہر ڈپازٹ ہولڈر اپنے اپنے ڈپازٹ کی بنیاد پر چیک جاری کر سکتا ہے، تو گویا ۲۹۵ روپے کے چیک جاری ہو سکتے ہیں، جبکہ اصل میں سو روپے تھے، مزید ۱۹۵ روپے بینک کے تخلیق کردہ ہیں۔ اور بینک کا یہ عمل "تخلیق زر" ہے۔ اس مثال میں ایک بینک فرض کر کے یہ کہا گیا ہے کہ قرض لینے والا اسی بینک میں دوبارہ رقم رکھوائے گا۔ لیکن عملاً یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اس بینک کے بجائے کسی دوسرے بینک میں رقم رکھوا دے۔ اس کے نتیجہ میں اس دوسرے بینک کے ڈپازٹ بڑھ جائیں گے۔ بہر کیف! بینک سے لئے جانے والے ہر قرض کے نتیجہ میں کسی نہ کسی بینک کے ڈپازٹ میں اضافہ ہو گا، تو اس صورت میں تمام بینکوں کا مجموعہ "تخلیق زر" کا عمل کرے گا۔

بینک کے زر کو بڑھانے میں ایک اور چیز کا بہت زیادہ دخل ہے، جس کو اصطلاح میں فلوٹ (Float) کہتے ہیں۔ بینک کے پاس جو رقم ڈپازٹ کے طور پر ہے، اس پر بینک کو سود دینا پڑتا ہے۔ یہ سود ان ڈپازٹس کی لاگت (Cost) ہے۔ یعنی یہ سود دے کر بینک کو یہ ڈپازٹ حاصل ہوئے۔

لیکن کبھی رقم کچھ مدت کے لئے رہتی تو بینک کے پاس ہی ہے، مگر اس مدت میں وہ بینک کے ڈپازٹ میں شامل نہیں ہوتی اور اس پر بینک کو سود نہیں ادا کرنا پڑتا۔ یہ بینک کا ایسا زر ہے جس پر لاگت کچھ بھی نہیں ادا کرنی پڑتی۔ ایسا کئی صورتوں میں ہوتا ہے، مثلاً بینک کی طرف سے دوسرے بینک کی طرف چیک جاری کیا گیا، تو اس بینک سے دوسرے بینک کی طرف رقم منتقل ہونے میں کچھ مدت لگ جاتی ہے۔ اس دوران یہ رقم بینک کا فلوٹ ہے۔ اسی کی ایک صورت یہ ہے کہ بینک نے کسی کو ڈرافٹ دے دیا، جب تک وہ ڈرافٹ کیش نہیں ہو جاتا، اس وقت تک یہ رقم بینک کے پاس فلوٹ کے طور پر ہے۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ بینک (LC) کھولتا ہے اور ایل سی کھلوانے والا ادائیگی اسی وقت کر دیتا ہے، مگر بینک آگے ادائیگی اس وقت کرتا ہے جب کاغذات آ جاتے ہیں، اتنی مدت کے لئے بغیر کسی لاگت کے وہ رقم بینک کے پاس رہتی ہے۔ اسی طرح ریلوے بلٹی میں ہوتا ہے کہ کاغذات بینک میں آتے ہیں۔ بینک میں ادائیگی کر کے کاغذات وصول ہوتے ہیں اور کاغذات وصول کر کے بلٹی چھڑائی جاتی ہے۔ اب کاغذات بینک سے لیتے ہوئے ادائیگی تو بینک میں کر دی جاتی ہے، مگر بلٹی بھیجنے والے کو یہ رقم ملنے میں تاخیر ہو جاتی ہے۔ یہ بھی بینک کا فلوٹ ہے۔ حج درخواستوں کا معاملہ بھی ایسے ہی ہے۔ اس کے علاوہ فلوٹ کی اور بھی صورتیں ہیں۔ فلوٹ کے ذریعہ بینکوں کو کافی سرمایہ حاصل ہوتا ہے۔

اس تفصیل سے ایک بات اور سامنے آئی، وہ یہ کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بینک ڈپازیٹر (رقم رکھوانے والوں) کو جو سود دیتا ہے، بینک کی لاگت بھی اتنی ہی ہوتی ہوگی، مثلاً (۸٪) سود دیتا ہے، تو بینک کی لاگت بھی آٹھ فیصد ہوگی۔ مگر واقعہ میں معاملہ ایسا نہیں ہے۔ بینک کی حقیقی لاگت اس سے کہیں کم ہوتی ہے جو اس نے سود دیا ہے، اس لئے کہ بینک کے پاس بہت سی رقم ایسی بھی ہوتی ہے جس پر وہ سود ادا نہیں کرتا اور اس سے نفع حاصل کرتا ہے۔ ایسی رقم ایک تو

فلوٹ کی رقم ہے، دوسری کرنٹ اکاؤنٹ کی رقم ہوتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بینک کو جونفع حاصل ہوتا ہےاس کا آٹھ فیصد سے بھی کم حصہ عوام کو ملتا ہے۔لہٰذا بینک کے نفع کا رخ عوام کی طرف کم ہے اور سرمایہ داروں کی طرف زیادہ ہے۔اوراس طرح بینک پوری قوم اور پورے ملک بلکہ پوری دنیا کا استحصال کرتا ہے۔ بظاہر وہ روپیہ جمع رکھنے والوں کوتھوڑا سود دے کرخوش کر دیتا ہےاور در پردہ ساری قوم کی دولت ہتھیا کراس پرڈاکہ ڈالتا ہے۔

محترم قارئین! بینک کے طریق کاراوراس کے کاروبار کے نوعیت کی تفصیلات آپ کے سامنے ہیں۔ ایک بار پھرغور سے پڑھیں،تو ان سے آپ کوبخوبی معلوم ہوجائے گا کہ بینک کی بنیادسود پر ہے، بلکہ اس کا پورا دارومدار سود ہی ہے، نیزسودی عمارت پر ہی اس کا ترکیبی ڈھانچہ قائم ہے۔آیئے اب ہم جائزہ لیتے ہیں کہ بینک کس طرح قوم، ملک اور پوری دنیا پر تباہی کا جال بچھایا ہوا ہےاور پوری دنیااس کے اس جال میں پھنسی ہوئی ہے۔

بینک کی تباہ کاریاں

بینک پرتبصرہ کرتے ہوئے مولانا مودودی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''اس طریقے پرساہوکارے کی تنظیم کر لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے زمانے کے منفرد اور منتشر مہاجنوں کی بہ نسبت آج کے مجتمع اور منتظم ساہوکاروں کا وقاراوراثر واعتماد کئی گنا بڑھ گیا اور پورے پورے ملکوں کی دولت سمٹ کران کے پاس مرتکز ہوگئی۔اب اربوں روپئے کا سرمایہ ایک ایک بینک میں اکٹھا ہوجاتا ہے،جس پر چند بااثر ساہوکارقابض ومتصرف ہوتے ہیں اور وہ اس ذریعہ سے نہ صرف اپنے ملک کی، بلکہ دنیا بھر کی معاشی،تمدنی اور سیاسی زندگی پر کمال درجہ خودغرضی کے ساتھ فرمانروائی کرتے رہتے ہیں۔ان کی طاقت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ تقسیم سے پہلے ہندوستان کے دس بڑے بینکوں کے پاس حصہ داروں کا فراہم کیا ہوا سرمایہ تو

صرف ۱۷ کروڑ (۱۷۰۰۰۰۰۰۰) تھا، مگر امانت داروں کے رکھوائے ہوئے سرمایہ کی مقدار چھ ارب بارہ کروڑ (۶۱۲۰۰۰۰۰۰۰) روپئے تک پہنچی ہوئی تھی۔ان بینکوں کے پورے نظم ونسق اوران کی پالیسی پر چند مٹھی بھر ساہوکاروں کا قبضہ تھا، جن کی تعداد حد سے حد ڈیڑھ دوسو ہوگی۔ مگر یہ سود کا لالچ تھا جس کی وجہ سے ملک کے لاکھوں آدمیوں نے اتنی بڑی رقم فراہم کر کے ان کے ہاتھ میں دے رکھی تھی۔اوراس بات سے ان کو کچھ غرض نہ تھی کہ اس طاقتور ہتھیار کو یہ لوگ کس طرح کن مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔اب یہ اندازہ ہر شخص خود لگا سکتا ہے کہ جن مہاجنوں کے پاس اتنی بڑی رقم جمع ہو وہ ملک کی صنعت، تجارت، معیشت، سیاست اور تہذیب وتمدن پر کس قدر زبردست اثر ڈال رہے ہوں گے اور یہ اثر آیا ملک اور باشندگان ملک کے مفاد میں کام کر رہا ہوگا، یا ان خودغرض لوگوں کے اپنے مفاد میں۔

یہ تو اس سرزمین کا حال ہے جس میں ابھی ساہوکاروں کی تنظیم بالکل ابتدائی حالت میں ہے اور جہاں بینکوں کی امانتوں کا مجموعہ کل آبادی پر بمشکل (۷) روپئے فی کس ہی حساب سے پھیلتا ہے۔اب ذرا قیاس کیجئے کہ جن ملکوں میں یہ اوسط اس سے ہزار اور دو ہزار گنے تک پہنچ گیا ہے، وہاں سرمایہ کی مرکزیت کا کیا عالم ہوگا۔ ۱۹۳۶ء کے اعداد وشمار کی رو سے صرف تجارتی بینکوں میں امانتوں کا اوسط امریکہ کی آبادی میں (۱۳۱۷) پونڈ فی کس، انگلستان کی آبادی میں (۱۶۶۴) پونڈ فی کس، سوئزرلینڈ میں (۲۷۵) پونڈ، جرمنی میں (۲۱۲) پونڈ اور فرانس میں (۱۶۵) پونڈ فی کس کے حساب سے پڑتا ہے۔اتنے بڑے پیمانے پر ان ملکوں کے باشندے اپنی پس انداز کی ہوئی آمدنیاں اور اپنی ساری جمع پونجی اپنے ساہوکاروں کے حوالے کر رہے ہیں، اتنے بڑے پیمانے پر سرمایہ گھر گھر سے کھنچ کھنچ کر چند ہاتھوں میں مرتکز ہو رہا ہے اور پھر جن کے پاس وہ مرتکز ہو رہا ہے وہ نہ کسی کو جواب دہ ہیں، نہ اپنے نفس کے سوا کسی سے

ہدایت لینے والے ہیں اور نہ ہی وہ اپنی اغراض کے سوا کسی دوسری چیز کا لحاظ کرنے والے، وہ بس سود کی شکل میں اس عظیم الشان مرکوز دولت کا ''کرایہ'' ادا کر دیتے ہیں اور عملاً اس کے مالک بن جاتے ہیں، پھر اس طاقت کے بل پر وہ ملکوں اور قوموں کی قسمتوں سے کھیلتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں قحط برپا کر دیتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں پنہیا کال ڈال دیتے ہیں، جب چاہتے ہیں جنگ کرا دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں صلح کرا دیتے ہیں، جس چیز کو اپنے زر پرستانہ نقطۂ نظر سے مفید سمجھتے ہیں اسے فروغ دیتے ہیں اور جس چیز کو ناقابل التفات پاتے ہیں اسے تمام ذرائع ووسائل سے محروم کر دیتے ہیں۔ صرف منڈیوں اور بازاروں ہی پر ان کا قبضہ نہیں ہے، علم وادب کے گہواروں اور سائنٹفک تحقیقات کے مرکزوں اور صحافت کے اداروں اور مذہب کی خانقاہوں اور حکومت کے ایوانوں، سب پر ان کی حکومت چل رہی ہے، کیونکہ قاضی الحاجات حضرت زران کے مرید ہو چکے ہیں۔

یہ وہ بلائے عظیم ہے جس کی تباہ کاریاں دیکھ دیکھ کر خود مغربی ممالک کے صاحب فکر لوگ چیخ اٹھے ہیں اور وہاں مختلف سمتوں سے یہ آواز بلند ہو رہی ہے کہ مالیات کی اتنی بڑی طاقت کا ایک چھوٹے سے غیر ذمہ دار خود غرض طبقے کے ہاتھ میں مرتکز ہو جانا پوری اجتماعی زندگی کے لئے سخت مہلک ہے۔ مگر ہمارے یہاں ابھی تک یہ تقریریں ہوئے جارہی ہیں کہ سود خواری تو پرانے گدی نشیں مہاجن کی حرام ونجس تھی، آج کا کرسی نشیں وموٹر نشیں بینکر بے چارہ تو بڑا ہی پاکیزہ کاروبار کر رہا ہے۔ اس کے کاروبار میں روپیہ دینا اور اس سے اپنا حصہ لے لینا آخر کیوں حرام ہے؟ حالانکہ فی الحقیقت اگر پرانے مہاجنوں اور آج کے بینکروں میں کوئی فرق واقع ہوا ہے تو وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ پہلے یہ لوگ اکیلے اکیلے ڈاکہ مارتے تھے، اب انہوں نے جتھہ بندی کر کے ڈاکوؤں کے بڑے بڑے گروہ بنا لئے ہیں۔ اور دوسرا فرق جو شاید پہلے

فرق سے بھی زیادہ بڑا ہے، یہ ہے کہ پہلے ان میں کا ہر ڈاکو نقب زنی کے آلات اور مردم کشی کے ہتھیار سب کچھ اپنے ہی پاس سے لاتا تھا۔مگر اب سارے ملک کی آبادی اپنی حماقت اور قانون کی غفلت و جہالت کی وجہ سے بےشمار آلات اور اسلحہ فراہم کر کے ''کرائے'' پر ان منظّم ڈاکوؤں کے حوالے کر دیتی ہے۔روشنی میں یہ اس کو ''کرایہ'' ادا کرتے ہیں اور اندھیرے میں اسی آبادی پر اسی کے فراہم کئے ہوئے آلات واسلحہ سے ڈاکہ ڈالتے ہیں۔اور اس ''کرائے'' کے متعلق ہم سے کہا جاتا ہے کہ اسے حلال وطیب ہونا چاہئے'' (سود ص۹۳-۹۶)۔

بینک کے جائز وظائف

بینک کے متعلق سابقہ صفحات میں جو بحث کی گئی ہے،اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ بینک کے سارے کام غلط، ناجائز اور حرام ہیں۔اور اس کے ساتھ کسی بھی قسم کا تعامل جائز نہیں ہوسکتا، بلکہ بینک بہت سی ایسی مفید اور جائز خدمات بھی انجام دیتا ہے جو موجودہ زمانہ کی تمدنی زندگی اور کاروباری ضروریات کے لئے مفید بھی ہیں اور ضروری بھی ۔ دراصل بینک بھی موجودہ تہذیب کی پرورش کی ہوئی بہت سی چیزوں کی طرح ایک ایسی اہم اور مفید چیز ہے جس کو صرف ایک شیطانی عنصر (سود) کی شمولیت نے گندہ کر رکھا ہے۔اب ہم بینک جو جائز خدمات انجام دیتا ہے،ان کو مختصراً بیان کرتے ہیں:

۱۔ایک جگہ سے دوسری جگہ روپیہ منتقل کرنا، نیز ایک ملک سے دوسرے ملک کو روپیہ ٹرانسفر کرنا: اس کے لئے بینک تھوڑی سی فیس وصول کرتا ہے، یہ اجرت میں داخل ہے، جو جائز ہے۔

۲۔سفری چیک (Travel Cheque) جاری کرنا:

جو آدمی ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرتا ہے، اسے اس ملک میں روپئے کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے لئے وہ بینک سے نقد روپئے دے کر یہ سفری چیک لیتا ہے، جسے وہ کسی بھی جگہ

بجا کر اتنی قیمت کا روپیہ لے سکتا ہے اور یہ اپنے ساتھ نقد روپیہ لے جانے کے مقابلہ میں زیادہ آسان اور زیادہ محفوظ طریقہ ہے۔

۳۔لوہے کا خزانہ کرایہ پر دینا:

اگر کوئی شخص لوہے کے خزانے میں روپیہ رکھنا چاہتا ہے، تو وہ بینک سے کرایہ پر یہ خزانہ لے سکتا ہے اور اپنے مصرف میں استعمال کرسکتا ہے۔

۴۔کمپنیوں کے حصے فروخت کرنا:

بینک کمپنی سے اجرت لے کر اس کا حصہ فروخت کروا دیتا ہے۔ اگر کمپنی بینک سے یہ خدمت لینا چاہتا ہے۔

۵۔بیرونی ممالک سے لین دین کی سہولتیں بہم پہنچانا:

بینک یہ نہایت ہی اہم خدمت انجام دیتا ہے، اس طرح بینک دوسرے ملکوں سے تجارتی و دیگر معاملات کرنے والوں کو بہت ساری پریشانیوں اور مشقتوں سے راحت دے دیتا ہے، مثلاً بینک ان کی طرف سے قیمت ادا کر دیتا ہے اور سامان اکسپورٹ کے کاغذات خود لے لیتا ہے اور بینک یہ سارے کام تھوڑی سی اجرت لے کر انجام دیتا ہے جو جائز ہے۔

۶۔قرض وصول کرنا:

وہ اس طرح سے کہ قرض دینے والے لوگ بینک کے پاس اپنے کاغذات جمع کرتے ہیں اور اس پر دستخط کر کے بینک کو سونپ دیتے ہیں کہ وہ اپنی اجرت لے کر ان کا قرض ان کو وصول کر کے دے۔ (المعاملات المصرفیۃ ص ۳۸-۳۹)۔

۷۔اعتماد نامہ (Letter of Credit) کھولنا:

بلاسود ایل سی کھولنے پر بینک جو اجرت لیتا ہے، وہ جائز ہے۔

بینک کے سود کو جائز قرار دینے والوں کے دلائل کا جائزہ

بعض لوگ بڑے شد و مد کے ساتھ آواز اٹھاتے ہیں کہ دور حاضر میں سود عموم بلویٰ کی صورت اختیار کر چکا ہے اور یہ بات بھی دہرائی جا رہی ہے کہ سود اقتصادیات کی بنیادوں میں سے ایک مضبوط بنیاد بن چکا ہے اور تمام تجارتی بینک اور کمپنیاں جن سے امت مستغنی نہیں ہوسکتی، سودی کاروبار کر رہی ہیں۔ اس لئے یہ مصلحت کے خلاف ہے کہ امت بینکوں کے ساتھ تعامل کرنے سے دور رہے، کیونکہ بینک وقت کی نہایت ہی اہم ضرورت بن چکا ہے۔ اگر مسلمان بینک سے دور رہتے ہیں، تو وہ اقتصادی حیثیت سے پس ماندہ بن جائیں گے اور دوسری قومیں ان سے آگے نکل جائیں گی۔ یہی ذہن وفکر ہے کہ جس کی بنیاد پر کچھ لوگ اس قسم کی چیزوں کے درپے ہو چکے ہیں جن سے وہ سود کو جائز وحلال کرنے کی راہ پاسکیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے غلط و بیجا استدلال اور قیاس مع الفارق کی بھرمار کردی ہے۔ ذیل میں ان کے انہی دلائل کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے جو درحقیقت دلیل نہیں، بلکہ ان کو شبہ لگ گیا ہے۔ ہم ان کے شبہات کو ایک ایک کر کے بیان کرتے ہیں اور ان کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہیں:

ا۔ طرفین کی رضامندی اور بینک کا سود:

بعض حضرات نے درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَاكُلُوا اَموَالَكُم بَينَكُم بِالبَاطِلِ إلَّا اَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِنكُم﴾ (النساء: ۲۹) ''اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ، مگر یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے ہو خرید وفروخت''۔

مذکورہ آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ بینک کا سود جائز ہے، کیونکہ اس میں فریقین کی رضامندی پائی جاتی ہے۔ اس میں نہ کوئی کسی کا استحصال کرتا ہے اور نہ کوئی کسی کی

مجبوری کا فائدہ اٹھاتا ہے۔

بلا شبہ یہ ایک شبہ ہے جو ان حضرات کو لگ گیا ہے، ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ مطلقاً رضا مندی سے کوئی حرام چیز حلال نہیں ہو جاتی، بلکہ طرفین کی اس رضا مندی سے جائز ہوتی ہے جس میں رضا مندی کے ساتھ ساتھ حکم الٰہی، یا شریعت کے کسی حکم کی مخالفت نہ ہوتی ہو۔ مثلاً لڑکا و لڑکی بلا نکاح جنسی تعلق قائم کرنے پر رضا مند ہو جائیں اور کوئی کسی کو مجبور نہ کرے تو کیا ان دونوں کی اس رضا مندی سے زنا جیسی حرام چیز جائز ہو جائے گی؟ ایک ادنیٰ عقل کا آدمی بھی یہی کہہ اٹھے گا کہ دونوں کی آپسی رضا مندی سے زنا جائز نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر بینک اور امانت دار سود کے لین دین پر راضی ہو جائیں تو دونوں فریق کی اس رضا مندی سے سود ہرگز حلال نہیں ہوسکتا، بلکہ بینک کھاتہ دار کو سود لینے پر مجبور کرے تب بھی سود جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سود کو قطعی طور پر حرام کیا ہے، خواہ بخوشی اور رضا مندی سے لے، یا دباؤ میں آکر مجبوراً لے۔

۲۔ شخصی ضرورت اور بینک کا سود:

بینک کے سود کو جائز قرار دینے والے یہ کہتے ہیں کہ قرآن وسنت میں جس سود کو حرام کیا گیا ہے وہ، وہ سود ہے جو آدمی اپنی شخصی ضرورت کے لئے قرض لیتا ہے، تاکہ وہ اپنے کھانے پینے کی ضروریات پوری کرے اور اپنے بچوں کی شادیاں کرے، کیونکہ ایسی صورت میں ضرورت مند کی ضرورت کا استحصال ہوتا ہے۔ اور سود خور کہتا ہے کہ اگر تم سو روپئے میں ماہانہ ایک سو دس روپئے دو تو تمہیں قرض دوں گا اور وہ آدمی لاچار و مجبور ہوکر قرض لے لیتا ہے۔ البتہ تجارتی غرض سے جو قرض لیا جاتا ہے، اس کا سود اس میں داخل نہیں، کیونکہ اس صورت میں ضرورت کا استحصال نہیں پایا جاتا، بلکہ دونوں فریق اس سے فائدہ کماتا ہے۔

اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے ثابت اس صحیح حدیث پر غور کریں تو اس بات کی قلعی کھل

جائے گی: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ﴿**جَاءَ بِلَالٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِتَمْرٍ بَرْنِيٍ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ : مِن أَينَ هٰذَا؟ قَالَ بِلَالٌ: كَانَ عِندَنَا تَمرٌ رَدِئٌ فَبِعتُ مِنهُ صَاعَينِ بِصَاعٍ لِنُطعِمَ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عِندَ ذٰلِكَ: اَوَّه، اَوَّه، عَينُ الرِّبَا، عَينُ الرِّبَا، لَاتَفعَل وَلٰكِن إِذَا اَرَدتَ اَن تَشتَرِى فَبِعِ التَّمرَ بِبَيعٍ آخَرَ ثُمَّ اشتَرِ بِهِ**﴾ (بخاری: کتاب الوکالۃ، باب اذا باع الوکیل شیئاً فاسداً فبیعہ مردود، حدیث نمبر: ۲۳۱۲، مسلم: حدیث نمبر ۱۵۹۴) ''بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں برنی نامی عمدہ کھجور لائے تو نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: ''یہ کھجور کہاں سے لائے''؟ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہمارے پاس ردی کھجور تھی، تو میں نے اس ردی کھجور کی دو صاع کے بدلے برنی کھجور کی ایک صاع خریدی تاکہ ہم نبی کریم ﷺ کو اچھی کھجور کھلائیں''۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہائیں! ہائیں! یہ عین سود ہے، قطعی سود، ایسا مت کرو، البتہ اگر تم خریدنا ہی چاہو تو اس ردی کھجور کو بیچ دو اور پھر اس کی قیمت سے عمدہ کھجور خریدو''۔

اب سوال یہ ہے کہ ایک صاع عمدہ کھجور کے بدلے دو صاع ردی کھجور لینا ظلم ہے؟ ہر شخص یہی جواب دے گا کہ ''یہ ظلم ہے نہ استحصال''، کیونکہ گرچہ ردی کھجور مقدار میں زیادہ ہے، مگر بازار میں عمدہ کھجور کی قیمت مقدار میں کم ہونے کے باوجود اس کے برابر ہے، پھر اس میں ظلم واستحصال کہاں؟ بلکہ اس میں تو ظلم واستحصال کا شائبہ تک نہیں ہے۔ جبکہ اسی زیادتی کے ساتھ لین دین کو نبی کریم ﷺ عین ربا اور قطعی سود قرار دے رہے ہیں؟

اس سے ثابت ہوا کہ یہ کہنا کہ: ''حرمت سود کی علت ظلم واستحصال ہے اور جس سود میں ظلم واستحصال نہ ہو وہ حلال ہے'' غلط ہے، باطل ہے اور اجتہاد کی بھیانک غلطی ہے، رسول اللہ ﷺ کی نگاہ مبارکہ میں سود کو حرام قرار دینے کی علت صرف ''ظلم واستحصال'' نہیں ہے، بلکہ وہ سارے

اسباب ہیں جو سابقہ صفحات میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔اس لئے تجارتی واستثماری سود کو جائز قرار دینا سراسر شریعت مطہرہ کی روح اور نبی اکرم ﷺ کی منشا کے خلاف ہے۔

ڈاکٹر نور الدین عتر رقمطراز ہیں: دور حاضر میں بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن صرف اس قرض والے سود کو حرام قرار دیتا ہے جو ایک محتاج و بےبس اور مجبور شخص قرض پر دیتا ہے جسے ''شخصی ضرورت'' پر قرض کا نام دیا جاتا ہے، تاجر کے قرض والے سود کو نہیں جو نفع کمانے کے لئے قرض لیتا ہے اور جسے ''تجارتی قرض'' کا نام دیتے ہیں، تو یہ آیت کے تفسیر کی ایک نئی وانوکھی رائے ہے جس کے ذریعہ انہوں نے قرآن کریم کے نص کو اس کے معنیٰ سے معطل کر دیا ہے اور چودہ سو صدیوں سے علماء تفسیر، علماء فقہ ولغت اور ائمہ اسلام نے اس آیت کا جو مفہوم سمجھا تھا، اس کی صریح مخالفت کی ہے۔ہم ان کو چیلنج دیتے ہیں اور ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ علماء سلف وخلف میں کسی ایک عالم کا قول، یا کم از کم شبہ قول، یا کسی کمتر درجہ کے عالم ہی کا قول اپنے اس رائے وخیال کی تائید میں پیش کریں''۔ (المعاملات المصرفیۃ ص ۷۳)۔

ہاں! چودہ صدیاں بیت گئیں، مگر آج تک یہ بات کسی بھی عالم، فقیہ یا امام نے نہیں کہی۔ جب سے استعماری طاقت دنیا پر حکومت کرنے لگی، یہ بات شد ومد سے اٹھائی جانے لگی، جبکہ اس نئی تاویل میں قرآن وحدیث کے نصوص کو بلا دلیل مقید کیا گیا ہے، حالانکہ صحیح تاریخ اس تاویل کی تردید کرتی ہے۔کیونکہ جاہلیت میں جو سود رائج تھا وہ شخصی ضرورت والا سود نہیں تھا کہ کسی سے کھانے پینے اور شخصی ضرورت کے لئے آدمی قرض مانگتا، تو وہ اس پر سود کا مطالبہ کر دیتا۔ یہ بات عربوں کے عمومی مزاج کے خلاف تھا۔اور اگر بالفرض کسی نے ایسا مطالبہ بھی کیا ہو تو وہ شاذ ونادر ہی تھا۔ بلکہ ان میں جو سود رائج تھا وہ تجارتی سود تھا اور جو بصراحت قرآن مجید ایک بار موسم سرما میں اور ایک بار موسم گرما میں تجارتی قافلوں کی شکل میں جایا کرتے تھے۔

لوگ ایسے قافلوں کو اپنا مال بڑھانے کے لئے یا تو بطور شراکت یا پارٹنر شپ تجارت کے لئے دیتے تھے، یا قرض دیتے تھے جس کا نفع پہلے ہی متعین کرلیا جاتا تھا جس کا نام سود ہے۔اسی قسم کا سود نبی کریم ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کا سود تھا اور جس کے کالعدم ہونے کا اعلان نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر کیا تھا۔کوئی بھی انصاف پسند آدمی یہ تصور نہیں کرسکتا کہ عباس رضی اللہ عنہ جو جاہلیت میں اپنے خون پسینے کی کمائی سے حاجیوں کو پانی پلایا کرتے تھے، وہ حریص اور سنگدل یہودیوں جیسی حرکت کریں گے اور جو شخص ان سے اپنی ذاتی ضروریات کے لئے قرض مانگنے آئے اس سے یہ کہیں گے: ''میں بغیر سود کے تمہیں قرض نہیں دے سکتا''۔

اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ اللہ اور رسول ﷺ کا حرام کردہ سود صرف شخصی و عائلی ضرورت پر لیا ہوا قرض والا سود تھا، جیسا کہ آج کل کے کچھ مدعین کا دعویٰ ہے، تو نبی کریم ﷺ نے سود دینے والے پر بھی لعنت بھیجی ہے، اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ اور کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ ایک بھوکا، بے سہارا اور انتہائی مجبور و مضطر شخص اپنے بچوں کے کھانے پینے کی ضرورت کے لئے سود پر قرض لیتا ہے اور اس پر سود ادا کرتا ہے، ایسے شخص پر اللہ کے پیارے حبیب ﷺ لعنت کریں گے؟ جبکہ اس قسم کی ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مردار، خون اور سور کا گوشت تک کھانے کو جائز قرار دیا ہے۔ملاحظہ ہو یہ آیت: ﴿**فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ**﴾ (البقرہ:۱۷۳) ''پھر جو شخص (مردار، خون اور سور کھانے پر) مجبور ہوجائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو، اس پر ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں''۔

نیز یہ بات بھی حقیقت واقعہ سے کوسوں دور ہے کہ بینک براہ راست صنعت وحرفت تجارت واقتصاد اور استثماری پروجیکٹ میں روپیہ لگاتا ہے اور اس سے نفع کماتا ہے۔ اخبارات میں شائع بینکوں کے میزانیہ اور روداد کو پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بینک بنیادی

طور پر صرف قرض دینے کا کاروبار کرتا ہے۔اس کا اصل کاروبار خریدنا و بیچنا، کاشتکاری کرنا، صنعتی پیداوار کرنا، پل وعمارتیں بنوانا وغیرہ نہیں ہے۔اس کومختصر لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ تجارتی بینکوں کا اصل کاروبار یہ ہے کہ وہ زید،عمر، بکر سے کم شرح سود مثلاً ٪ ۸ پر قرض لیتا ہے اور دوسروں کو زیادہ شرح سود مثلاً ٪ ۱۵ پر قرض دیتا ہے اوران دونوں شرحوں کا درمیانی فرق بینک کا نفع ہے۔ یہ بینک کا اصل کاروبار اور بنیادی وظیفہ ہے۔اس طرح بینک بڑے پیمانہ پر دوہرا سودی کاروبار کرتا ہے جو جاہلیت کے زمانہ میں چھوٹے چھوٹے ساہوکار کیا کرتے تھے۔ اس طرح برملا کہا جاسکتا ہے کہ بینک سود کا ایجنٹ اور دلال ہے جو سود دیتا بھی ہے اور لیتا بھی۔

یہ بات بھی قطعی طور پر درست نہیں کہ بینک کو کبھی نقصان وخسارہ نہیں ہوتا، اور وہ ہمیشہ نفع وفائدہ ہی کماتا ہے۔ہم نے کتنے ملکوں کے بینکوں کے بارے میں اخبارات میں دیکھا کہ فلاں بینک کا دیوالیہ ہوگیا۔صرف امریکہ میں جسے بینکوں اور سرمایہ داری نظام کا ملک کہا جاتا ہے، ۱۹۸۷ء میں وہاں کے (۱۴۷) بینکوں کے دیوالیہ ہوجانے کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی۔نیز اس کے دوسال بعد تقریباً اتنے ہی بینکوں کے دیوالیہ ہوجانے کی خبر اخبارات نے شائع کی۔ (**فوائد البنوک : هی الربا الحرام**،مولفہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی)۔

اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ بینکوں کا نقصان وخسارہ نہیں ہوتا، جیسا کہ ہمارے بھائی کا دعویٰ ہے،تو کیا بینک سے قرض لینے والوں کے بارے میں بھی ان کا یہی خیال ہے کہ ان کا بھی خسارہ ونقصان نہیں ہوتا؟ اگر بینک سے قرض لینے والوں کا نقصان ہوتا ہے اور جیسا کہ واقعہ ومشاہدہ ہے تو وہ تنہا ہی نقصان کیوں اٹھائے اور بینک ہمیشہ نفع ہی نفع کمائے؟؟ کیا یہ انصاف ہے؟ یہ عدل ہے؟ اور کیا عقل اسے جائز کہہ سکتی ہے؟؟

ہمارے لئے یہ بات کافی ہے کہ ہم قرض کی مصیبت کو دیکھیں،جس نے تیسری دنیا کی کمر

توڑ کر رکھ دی ہے، یہاں تک کہ صرف ایک ملک مصر کا قرض چوالیس ارب ڈالر (۴۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰) تک پہنچ گیا ہے، جس کا سود ۱۰٪ کے حساب سے جوڑا جائے تو چار ارب چالیس کروڑ ڈالر (۴۴۰۰۰۰۰۰۰۰) بنے گا، جبکہ بعض قرضوں کا سود دس فیصد سے بھی زیادہ ہے اور جسے مصر ادا کرنے سے قاصر ہے۔

اسی طرح تیسری دنیا کی سب سے بڑی مشکل قرضوں کی خدمت ہے یعنی قسطوں کی ادائیگی اور اس پر سالانہ سود کا اضافہ۔ یہ ایسی دہشتناک چیز ہے جس نے بڑے بڑے طاقتور ملکوں کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ پھر ترقی پزیر ملک ہندوستان و پاکستان کا کیا عالم ہوگا؟ اور قرض کے بارے میں عربی مثل وکہاوت ہے: **''هَـمٌّ بِاللَّيلِ وَمَذَلَّةٌ بِالنَّهَارِ''** یعنی قرض سے رات کی نیند حرام ہوجاتی ہے اور دن میں ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ تو فقط قرض کا حال ہے، پھر اگر قرض کے ساتھ سود بھی شامل ہوجائے تو کیا عالم ہوگا؟ جو روزانہ بڑھتا ہی رہتا ہے کم ہونے کا نام تک نہیں لیتا۔

سود میں دو مصیبت کا اجتماع ہوتا ہے: ایک قرض کا بوجھ، دوسری قرض دینے والے کے احسان تلے دبنا۔ کیا ہم اور آپ عالمی بینک اور قرض دینے والے مغربی ملکوں کے غلبہ وتسلط کو نہیں دیکھ رہے ہیں کہ وہ کس طرح ہماری روزی روٹیوں اور غذاؤں تک پر قبضہ جما بیٹھے ہیں اور ہماری سیاست ومعیشت اور اقتصادیات پر اپنی من مانی حکمرانی کررہے ہیں۔

۳۔کھاتہ داروں کے ساتھ بینک کا تعلق:

بینک میں جو لوگ روپیہ جمع رکھتے ہیں، یہ روپیہ آیا بینک کو قرض دے رہے ہیں، یا بینک کے پاس بطور امانت رکھ رہے ہیں؟ پہلے اس کی تعیین ہوجانی چاہئے۔ اسلامی قانون یہ ہے کہ امانت کے طور پر جو چیز رکھی جاتی ہے، اگر وہ چوری ہوجائے، یا جل جائے، یا کسی آفت کا شکار

ہو کر ضائع ہو جائے، تو امانت دار اس چیز کا ضامن نہیں ہوتا، اور نہ وہ اس چیز کے لوٹانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ہاں! اگر امانت دار نے خیانت کی، یا حفاظت میں عمداً کوتاہی برتی، تو پھر اس کا ضامن ہوگا۔ اور اس میں دو رائے نہیں کہ بینک کھاتہ داروں کے روپئے کا ضامن ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی بھی صورت میں یہ روپیہ اس کے پاس بطور امانت نہیں ہے۔ اور جو ضامن ہو، وہی نفع ونقصان کا حقدار ہوتا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ﴾ ''حق محنتانہ ضمانت کے سبب ہے''۔ (ابوداؤد: ۳۵۱۰، نسائی ۲/ ۲۱۵، ابن ماجہ: ۲۲۴۲، احمد: ۶/ ۴۹، دارقطنی: ۳۱۱، ابن حبان: ۱۱۲۵)۔

ہاں! اگر بینک کے پاس زیور، جواہرات، یا زمین کے کاغذات وغیرہ عینی سامان رکھے جائیں، تو اس صورت میں مذکورہ چیزیں بینک کے پاس امانت ہوں گی اور ان چیزوں کو اسی حالت میں واپس لوٹانا بینک پر ضروری ہوگا۔

نیز یہ کہنا بھی قطعاً درست نہیں کہ بینک میں روپیہ رکھنے والے کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ وہ بینک کو قرض دے رہا ہے اور بینک کو آدمی قرض کیسے دے سکتا ہے، جبکہ وہ اربوں روپئے کا مالک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض کے شرائط میں یہ بات نہیں ہے کہ مالدار ہی غریب کو قرض دے۔ غریب بھی مالدار کو قرض دے سکتا ہے، جیسے انسان اللہ تعالیٰ کو قرض دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿مَن ذَا الَّذِی یُقرِضُ اللّٰهَ قَرضاً حَسَناً﴾ (البقرہ: ۲۴۵، الحدید: ۱۱) ''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے''۔

نیز قرض کی شرطوں میں یہ بات بھی نہیں ہے کہ طرفین اسے قرض سمجھ کر لے، یا دے۔ کیونکہ کبھی امانت کا مال قرض میں بدل جاتا ہے، گرچہ مال والے کی نیت قرض کی نہ ہو، مثلاً امانت دار نے امانت کے مال میں تصرف کر دیا، جیسا کہ بینک امانت داروں کے روپیہ میں

تصرف کرتا ہے، تو ایسی صورت میں امانت قرض میں بدل جاتی ہے اور وہ امانت دار کے ذمہ قرض ہو جاتا ہے اور پھر اسے اس مال کا تاوان دینا پڑے گا، خواہ اس نے امانت دینے والے کے اذن سے تصرف کیا ہو، یا بغیر اجازت سے تصرف کیا ہو۔ جیسا کہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ بہت سارے لوگ ان کے پاس اپنا مال امانت رکھنے کے لئے لاتے تھے، تو وہ امانت کے طور پر لینے سے انکار کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اسے بطور قرض رکھ لیتا ہوں، اس خوف سے کہ کہیں مال ضائع ہو جائے، تو امانت کی صورت میں امانت دینے والے کا نقصان ہوگا جبکہ قرض کی صورت میں اس مال کی ادائیگی ان کے ذمہ لازم ہوگی۔

اور یہ سب کو معلوم ہے کہ بینک کے ساتھ معاملہ کرنے والوں کا تعلق دائن اور مدیون کا ہے، یعنی دونوں کا معاملہ قرض دار اور قرض خواہ کا معاملہ ہے۔ اور یہ بات حساب کے اس اعلامیہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے جو بینک کی طرف سے اپنے کھاتہ داروں کے نام ہر سال جاری ہوتا ہے، یا بینک حکومت کے سامنے اپنی سالانہ رپورٹ پیش کرتا ہے۔

۴۔مضاربت اور بینک کا کاروبار:

بینک کے سود کو جائز قرار دینے کے لئے ایک عجیب وغریب منطق یہ دی جاتی ہے کہ بینک کا کاروبار شرعی مضاربت کا کاروبار ہے۔ یعنی بینک کھاتہ داروں سے روپیہ مضاربت کے طور پر لیتا ہے اور کھاتہ دار اس کے مالک ہیں۔ پھر بینک اس روپئے کا مالک بن کر دوسروں کو روپیہ دیتا ہے اور جس کو روپیہ دیتا ہے وہ بینک کا مضارب ہے۔

یہ تعبیر شرعی مضاربت کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ مضاربت میں مضارب مال کا امانت دار ہوتا ہے، قرض دار نہیں۔ اور مال واپس دینے کی ضمانت صرف اس صورت میں لازم آتی ہے، جبکہ مضارب نے اس مال میں خیانت، یا حفاظت میں عمداً کوتاہی و بدنیتی کا ارتکاب کیا

ہو۔اور جب مضاربت میں مضارب پر مال کی ضمانت کی شرط عائد کی جائے ،تو مضاربت کی شرعی حیثیت باطل اور ختم ہو جاتی ہے۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ بینک کھاتہ داروں کے مال کا ضمانت دار ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ بینک ایک ساتھ مال کا امانت دار اور ضمانت دار دونوں ہو؟ نیز شرعی مضاربت اس بات کا مقتضی ہے کہ فریقین نفع ونقصان دونوں میں شریک ہوں، کوئی فریق دوسرے فریق کے حساب میں متعین نفع یا مخصوص مال کا یقینی حق دار نہ ہو۔صاحب مال یا مضارب کی طرف سے متعین مقدار کی یقینی ضمانت حاصل کر لینا اس مضاربت کو باطل کر دیتا ہے اور اس کو حلال کے دائرہ سے نکال کر حرام کے دائرہ میں داخل کر دیتا ہے، کیونکہ اسلامی مضاربت میں ایک فریق کا روپیہ ہوتا ہے،تو دوسرے فریق کی محنت و رِسک (Risk) سے مال بڑھتا ہے، جبکہ سودی معاملہ میں مال والے کو نفع کی متعین مقدار کی یقینی ضمانت و گارنٹی ہوتی ہے، گرچہ اس نے اپنی کچھ بھی محنت صرف نہ کی ہو اور نہ رِسک (Risk) لیا ہو۔

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ﴿**كُنَّا اَكْثَرَ الاَنصَارِ حَقلاً، فَكُنَّا نَكرِى الاَرضَ عَلىٰ اَنَّ لَنَا هٰذِهِ وَلَهُم هٰذِهِ، فَرُبَّمَا اَخرَجَتهُ هٰذِهِ وَلَم تُخرِج هٰذِهِ، فَنَهَانَا عَن ذٰلِكَ**﴾ ’’ہم لوگ انصار میں سب سے زیادہ کھیت والے تھے، ہم لوگ اس شرط پر کھیت بٹائی پر دیتے تھے کہ ایک زمین کی پیداوار ہماری ہوگی، تو دوسری زمین کی پیداوار بٹائی دار کی ۔کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ایک کھیت میں پیداوار ہوئی ،مگر دوسرے کھیت میں کچھ بھی پیداوار نہیں ہوئی ،تو نبی کریم ﷺ نے ہمیں ایسا کرنے سے منع فرما دیا‘‘۔(بخاری: ۲۳۲۷، مسلم: ۲۹۳۰، ابوداؤد: ۳۳۹۲، نسائی: ۳۹۰۸، ابن ماجہ: ۲۴۵۸)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے طرفین میں سے کسی ایک فریق کے لئے

زمین کے کسی حصہ کو خاص کرنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ وہی خاص کیا ہوا حصہ آفت سے محفوظ ہو اور کبھی وہی حصہ آفت کا شکار ہو جائے، جس کی وجہ سے طرفین میں سے ایک فریق کا یقینی فائدہ ہو اور دوسرے کا نقصان، اور یہ اسلام کی نگاہ میں پسندیدہ بات نہیں۔ اسلام کا عدل وانصاف جسے نبی کریم ﷺ نے مذکورہ بالا حدیث میں بیان فرمایا کہ مزارعت میں فریقین نفع ونقصان میں برابر کے شریک ہوں۔

محترم قارئین! اب آپ بنظر انصاف غور فرمائیے کہ یہ بھی کوئی معقول معاملہ ہے کہ جس میں دو ایک ہی جیسے افراد میں سے ایک کا کبھی نقصان ہوتا ہے، اور کبھی نفع۔ جبکہ دوسرا صرف نفع ہی بٹورتا رہتا ہے؟ اس معاملہ کو کون سی شریعت جائز اور کون سی عقل روا رکھ سکتی ہے؟

نیز نفع کی امید ہونا اس بات کی دلیل ہرگز نہیں بن سکتا کہ وہ معاملہ جائز بھی ہے، اس لئے کہ نفع کی امید تو کاشتکار کو مخابرہ کی صورت میں بھی ہوتی ہے۔ اور اسی لئے تو وہ یہ معاملہ کر لیتا ہے، مگر اس کے باوجود بصراحت حدیث ''مخابرہ'' ناجائز ہے اور اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے یہ وعید سنائی ہے: ﴿**مَن لَم يَذَرِ الْمُخَابَرَةَ فَلْيَأذَن بِحَربٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ**﴾ ''جو شخص مخابرہ نہ چھوڑے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کے لئے تیار ہو جائے''۔ (عون المعبود ۹/ ۲۷۱-۲۷۲، حاکم کتاب التفسیر ۲/ ۲۸۶ میں کہا: یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے)۔

اس روایت میں نبی کریم ﷺ نے ''مخابرہ'' کو سود ہی کی ایک صورت قرار دے کر حرام قرار دیا اور جس طرح سود خور کے خلاف اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اعلان جنگ کیا ہے اسی طرح ''مخابرہ'' کرنے والے کے خلاف بھی اعلان جنگ کیا۔

''مخابرہ'' بٹائی کی ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین دار کسی کاشتکار کو اپنی زمین اس معاہدہ پر بٹائی کے لئے دے کہ کاشتکار اس کو غلہ کی ایک معین مقدار دے دیا کرے۔ فرض کریں

کہ آپ کی ایک زمین ہے اور آپ وہ زمین زید کو اس معاہدہ پر کاشت کے لئے دیں کہ وہ غلہ کی ایک معین مقدار مثلاً پانچ کوئنٹل ہر فصل میں آپ کو دے دیا کرے، خواہ اس کی پیداوار کم ہو، یا زیادہ اور یا بالکل ہی نہ ہو۔

یا مثلاً یہ معاہدہ طئے ہو کہ جتنی پیداوار پانی کے نالیوں کے قریبی حصوں کی ہوگی وہ آپ کو دیا کرے اور باقی کا شتکار کا رہے۔ اس طرح کا معاملہ ''مخابرہ'' کہلاتا ہے۔ اگر آپ بینک کے معاملہ پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بینک کا معاملہ بعینہ ''مخابرہ'' جیسا ہے اور ظاہر ہے ایسا معاملہ حلال تو کجا بالکل حرام ہی ہوگا۔

۵۔ ربا الفضل اور بینک کا سود:

بینک کے سود کو جائز کرنے کے لئے ایک شبہ یہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس نقد میں سود کو حرام کیا ہے، وہ صرف سونے چاندی کے روپئے ہیں، موجودہ زمانہ کے کاغذی نوٹ نہیں ہیں جو دورحاضر میں رائج اور لوگ جن سے معاملات کرتے ہیں۔ کیونکہ جتنی احادیث سود کے بارے میں آئی ہیں وہ مخصوص قسم کی چیزوں کے بارے میں آئی ہیں (اور وہ ہیں کھجور، گیہوں، جَو، نمک، سونا اور چاندی)، ان میں سونا اور چاندی بھی ہیں۔ اوران کی حکمت بالکل واضح ہے، کیونکہ دونوں نفیس اور عمدہ معدنیات میں سے ہیں جو بذات خود قیمت والی ہیں، گرچہ انہیں بطور نقد استعمال نہ کیا جائے۔

اور حد تو یہ ہے کہ لوگوں نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ ان کاغذی نوٹوں کی قیمت اس کی قوت خرید کم ہونے کی وجہ سے کم ہوجاتی ہے اور یہ افراط زر کے وقت ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں صاحب مال بینک سے جو سود لیتا ہے، یہ اس کمی کے مقابلہ میں لیتا ہے جو اس کے روپئے میں افراط زر کے سبب واقع ہوجاتی ہے، بلکہ کبھی کبھی بینک کا سود اس کمی کی بھی تلافی نہیں کرتا جو

افراط زر کے سبب ہوا ہے، مثلاً بینک ١٠% فیصد سود دیتا ہے اور افراط زر کا تناسب ١٥% فیصد ہے، تو حقیقت واقعہ میں بینک میں روپیہ جمع رکھنے والا ٥% فیصد نقصان اٹھاتا ہے۔

بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ صرف سونے چاندی کے روپیوں میں زکوٰۃ واجب ہے اور سود کا حکم بھی صرف سونے چاندی کے سکوں پر جاری ہوتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کاغذی نوٹوں پر زکوٰۃ واجب نہیں، جو اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ اور کاغذی نوٹوں میں سود لینا دینا جائز ہے، جو صرف حرام ہی نہیں بلکہ سات ہلاکت خیز چیزوں میں سے ایک ہے۔ جبکہ یہ بات سرے سے ہی باطل و بے بنیاد ہے، کیونکہ موجودہ دور میں انہی کاغذی نوٹوں کے بل بوتے پر تمام امور انجام دیئے جاتے ہیں، خرید وفروخت ہوتی ہے، شادی و بیاہ میں مہر دیا جاتا ہے، کرایہ ادا کیا جاتا ہے، غرض کہ انہی نوٹوں پر تمام شرعی احکام وآثار مرتب ہوتے ہیں اور جس کے پاس جتنا زیادہ نوٹ ہوتا ہے وہ اتنا ہی بڑا مالدار اور صاحب ثروت مانا جاتا ہے۔

جہاں تک افراط زر کے سبب نوٹوں کی قیمت اور قوت خرید میں کمی وبیشی کا سوال ہے، تو یہ بات درست ہے، مگر یہاں حق بول کر باطل مراد لیا گیا ہے۔ ۱۹۸۸ء میں کویت میں منعقد اسلامی کانفرنس کے "**مجمع الفقه الإسلامی**" میں اس مسئلہ پر بحث کی گئی اور علماء دو فریق میں بٹ گئے۔ ایک فریق کی رائے تھی کہ افراط زر کے سبب قیمت میں کمی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ نوٹ باقی ہے اور خرید وفروخت میں رائج ہے، تو وہ نوٹ ہی واپس ملے گا، یعنی اگر ڈالر دیا ہے تو ڈالر واپس ملے گا، اگر روپیہ دیا ہے تو روپیہ واپس ملے گا، گرچہ اس کی قیمت میں ہزار گنا گراوٹ آ گئی ہو۔ اس فریق نے نوٹ کو ہر چیز میں سونے چاندی کے نوٹوں کا حکم دے دیا، جبکہ دوسرے فریق نے نوٹوں کا حکم سونے چاندی کے نوٹوں کا حکم اصل میں دیا، تفصیل میں نہیں دیا، یا یوں کہئے کہ اکثر صورتوں میں دیا، تمام صورتوں میں نہیں دیا۔

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگر افراط زر کے سبب نوٹوں کی قیمت میں کمی بیشی ہوتی ہے، تو سارے معاملات میں ہونا چاہئے اور یہ قانون بنا دیا جانا چاہئے کہ قرض دار حالیہ افراط زر کے تناسب کے اعتبار سے اپنا قرض ادا کیا کرے، اس مقدار پر نہیں جو اس نے پانچ سال قبل قرض لیتے وقت اتفاق کیا تھا۔ ان سارے معاملات میں تو آدمی افراط زر کو بھول جائے اور صرف بینک سے معاملہ کرتے وقت یاد رکھے، کیا یہ تعجب خیز بات نہیں ہے؟ بلکہ خود بینک سے افراط زر کے فرق کا مطالبہ کیا جانا چاہئے، اگر افراط زر کا تناسب متعین سود سے زیادہ ہو۔ اب آپ غور کریں کہ آدمی یہ بات تو بینک میں روپیہ جمع کرتے وقت، یا قرض دیتے وقت قرض دار کی نسبت سے یاد رکھے اور قرض خواہ کی نسبت سے بھول جائے۔ کیا یہ غلط و باطل حیلہ نہیں ہے جو بینک کے سود کو جائز قرار دینے کے لئے اختیار کیا جا رہا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ بنیاد کا ہے اور بینک کی بنیاد سود پر قائم ہے۔ یعنی وہ زیادتی جو مال پر شرط لگائی گئی ہے، خواہ وہ کسی نوٹ میں ہو، یا کسی کرنسی میں، یا سونے چاندی میں، یا یہ کسی بھی حالت میں ہو، اور یا کسی بھی صورت میں، سب کا ایک ہی حکم ہوگا اور وہ یہ ہے کہ بینک کا سود حرام ہے۔ اس لئے ان حیلوں سے بینک کا سود حلال نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حق بالکل واضح ہے۔

زر اور کرنسی میں فرق:

یہاں زر اور کرنسی کے مابین فرق بیان کر دینا قارئین کی دلچسپی اور فائدہ سے خالی نہیں ہوگا، چنانچہ ''زر'' اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ تبادلہ، قدر کی پیمائش اور مالیت کا تحفظ ہوتا ہو''۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ قانونی طور پر بھی اس کو جبری آلہ تبادلہ قرار دیا گیا ہو، مثلاً چیک، یا انعامی بانڈ وغیرہ جیسی دستاویزات سے لوگ تبادلہ کرتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص انعامی بانڈ سے ادائیگی کرے اور دوسرا شخص اس سے اپنا حق انعامی بانڈ کی صورت میں لینے پر راضی اور

آمادہ نہ ہو، تو اس کو قانوناً لینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

اور ''کرنسی'' وہ زر ہے جس کو کسی خاص ملک میں قانونی طور پر آلہ تبادلہ قرار دیا گیا ہو' جیسے ڈالر، پونڈ، دینار اور روپیہ وغیرہ۔ اگر کوئی شخص روپئے میں ادائیگی کرے، تو قانوناً اسے لینے پر مجبور کیا جائے گا۔

۶۔ ربا اضعاف مضاعفہ اور بینک کا سود:

بینک کے سود کو جائز قرار دینے کے لئے یہ شبہ بھی پیش کیا جا رہا ہے کہ جس سود کو قرآن میں حرام کیا گیا ہے، وہ ''اضعاف مضاعفہ'' ہے، یعنی حد سے زیادہ مقدار میں سود، یا سود در سود۔ جس میں انسانی ضرورتوں کا استحصال کیا جاتا ہے، البتہ معمولی سود مثلاً ٪۸ فیصد، ٪۱۰، جس میں انسان کا استحصال نہیں ہوتا، تو یہ ممنوع وحرام سود میں داخل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿**يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَاكُلُوا الرِّبَا اَضعَافاً مُضَاعَفَةً، وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُم تُفلِحُونَ**﴾ (آل عمران: ۱۳۰) ''اے ایمان والو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تمہیں نجات ملے''۔

جو لوگ عربی زبان کے محاورہ سے واقفیت رکھتے ہیں اور قرآن کے بدیع اسلوب کو سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ سود کی یہ صفت ''اضعاف مضاعفہ'' اس کی برائی کی تشہیر اور اس کی شناعت وقباحت اور واقعیت کو بیان کرنے کے لئے لائی گئی ہے، یہ تحریم سود میں نہ شرط ہے اور نہ قید۔ کیونکہ جاہلیت کے لوگ عام طور پر دوگنا چارگنا، مرکب اور سود در سود کی اس حد تک پہنچ چکے تھے، جسے ''اضعاف مضاعفہ'' کا نام دیا گیا ہے۔ اور اس طرح کا وصف حرمت میں بطور قید یا شرط معتبر نہیں ہوتا کہ اگر ''اضعاف مضاعفہ'' نہ ہو، تو سود جائز ہو جائے۔ آیت ﴿**وَإن تُبتُم فَلَكُم رُؤسُ اَموَالِكُم**﴾ (البقرہ: ۲۷۹) ''ہاں! اگر تم توبہ کر لو، تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی

ہے''، سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ راس المال سے ایک پیسہ بھی زیادہ ہوتو وہ حرام ہوگا۔

پھر بقول ان کے قلیل وکثیر کا معیار کیا ہے؟ وہ کونسا پیمانہ ہے جو ٪۱۰ کو قلیل بتائے اور ٪۱۲ کو کثیر بتائے؟؟ اگر ہم قرآن کے ظاہری لفظ کو ہی لیں تو ''اضعاف مضاعفہ'' ٪۶۰۰ فیصد ہوں گے، کیونکہ ''اضعاف'' کا لفظ جمع ہے اور جمع کی اقل حد تین ہے۔ اب اگر تین کو دوگنا کیا جائے تو چھ ہوں گے، یعنی ایک سو روپئے میں ٪۶۰۰ روپئے سود۔ کیا کوئی عقل مند آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ سود کی اتنی بڑی مقدار ٪۶۰۰ فیصد کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور اس سے کم ٪۳۰۰ یا ٪۴۰۰ فیصد کو جائز قرار دیا ہے؟؟

۷۔ بینک کا فائدہ اور جاہلیت کا سود:

بینک کے سود کو جائز کرنے کے لئے یہ شبہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ بینک کا سود جاہلیت کے سود کے علاوہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حرام کیا ہے اور اس کے کھانے والے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ کی وعید سنائی گئی ہے، کیونکہ جاہلیت کا سود جیسا کہ بعض سلف سے منقول ہے، یہ تھا: ''ایک خاص مدت کے لئے ایک آدمی دوسرے آدمی کو قرض دیتا تھا، جب وہ مدت گزر جاتی، تو وہ شخص یہ کہتا کہ یا تو قرض ادا کرو، یا پھر سود دو''۔

بلا شبہ یہ جاہلیت کا سود تھا۔ لیکن سود کی صرف یہی ایک صورت رائج نہیں تھی، کیونکہ بہت سارے دلائل اور واقعات اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ شروع معاملہ میں ہی سود لینے کی شرط کر لی جاتی تھی، جیسا کہ تجارتی قافلوں کے لوگ کیا کرتے تھے۔ علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ''احکام القرآن'' میں بیان کیا ہے کہ: ''جس قسم کا سود اہل عرب میں رائج تھا اور اس کے علاوہ دوسری قسم کا سود وہ نہیں جانتے تھے وہ یہ تھا: ''اہل جاہلیت ایک دوسرے سے قرض لیتے تو باہم یہ طئے کرلیا جاتا کہ اتنی مدت میں اتنی رقم اصل راس المال سے زیادہ ادا کی

جائے گی‘‘۔امام طبری اور علامہ رازی رحمہما اللہ نے تقریباً یہی بات لکھی ہے۔

بالفرض اگر جاہلیت کا سود مذکورہ صورت میں محصور تھا اور جاہلیت کا سود پہلی مدت گزر جانے کے بعد شروع ہوتا تھا، تو دوسری صورت یعنی اول امر میں سود کی شرط کرنا بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جاہلیت میں اول امر میں بغیر سود کے قرض دیا جاتا تھا اور سود اس وقت شروع ہوتا تھا جب وہ مدت گزر جاتی اور قرض دار نے قرض ادا نہ کیا ہوتا، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو اول امر میں سود کے بغیر قرض دینے پر راضی نہ ہو وہ بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔اور بینک یہی کرتا ہے، کیونکہ سود کا حساب پہلے ہی دن سے قرض دار پر شروع ہوجاتا ہے، جبکہ جاہلیت کی مذکورہ صورت موجودہ بینک کے تعامل میں پائی جاتی ہے، کیونکہ جب مدت گزر جاتی ہے اور قرض دار بینک کا قرض ادا نہیں کر پاتا، تو اس سے بھی بعینہ یہی کہا جاتا ہے کہ یا تو قرض ادا کردو، یا پھر سود در سود ادا کرو۔اگر ایک دن کی بھی تاخیر ہوئی، تو اس دن کا سود بھی اس پر جوڑ دیا جاتا ہے، اسی طرح جتنے دن کی تاخیر ہوگی اتنے دن کے سود کا حساب جوڑ دیا جاتا ہے۔

۸۔زمین کرایہ دینے پر بینک کے سود کا قیاس:

ایک شبہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ جو شخص بینک میں اپنا پیسہ جمع رکھتا ہے اور بینک سے متعین سود لیتا ہے، اس کی مثال اس شخص کی جیسی ہے جو اپنی زمین دوسرے شخص کو کاشتکاری کے لئے کرایہ پر دیتا ہے اور اس سے ایک طئے شدہ اجرت لیتا ہے۔اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ زمین میں پیداوار ہوئی کہ نہیں۔وہ زمین دے کر اجرت کا حقدار بن گیا ہے۔

اس توجیہ میں سخت مغالطہ دیا گیا ہے۔اس بات کو اگر ہم فقہی اصطلاح میں کہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں ’’زمین‘‘ پر ’’روپیہ‘‘ کو اور ’’کرایہ‘‘ پر ’’سود‘‘ کو قیاس کیا گیا ہے۔اور یہ قیاس سرے سے باطل ہے، کیونکہ قیاس کے صحیح ہونے کے لئے علت کا مشترک ہونا ضروری ہے۔اور

یہاں دونوں میں علت مشترک نہیں پائی جاتی، کیونکہ زمین کو کرایہ پر دینے کی علت زمین کے عین سے کاشتکاری کے ذریعہ فائدہ اٹھانا ہے۔اور روپیہ جب تک روپیہ ہے اس کے عین سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، کیونکہ روپیہ کے عین سے کسی کو کوئی غرض نہیں ہوتی، جیسا کہ علامہ غزالی رحمہ اللہ نے (احیاء العلوم ج ۴ص ۸۸) میں کہا ہے۔**معلوم ہوا کہ روپیہ زمین سے بالکل مختلف حیثیت رکھتا ہے اور فارق کی موجودگی میں قیاس درست نہیں ہوسکتا۔**

دوسری بات یہ ہے کہ زمین کو کرایہ پر دینا اجارہ کے باب سے ہے، جسے شارع حکیم نے جائز قرار دیا ہے اور جو کرایہ پر دیئے گئے عین سے انتفاع کی اجرت ہے اور وہ عین استعمال سے تلف نہیں ہوتا۔اس کے برعکس روپیہ قرض دینا منافع کے احسان کے باب سے ہے، اس لئے اس پر اجرت لینا جائز و درست نہیں ہے۔اس کے اور زمین کے کرایہ کے درمیان بہت بڑا فرق ہے، اس فرق کو درج ذیل مثال سے سمجھتے ہیں:

مثلاً ایک شخص نے اپنی زمین کسی دوسرے شخص کو ۵۰۰ روپئے سالانہ کرایہ وٹھیکہ پر دیا، یعنی یہ ۵۰۰ روپئے زمین کے عین سے انتفاع کی اجرت ہے۔اور سال بھر اس زمین کو جوتنے سے اس کا عین تلف نہیں ہوگا۔بالفرض سال پورا ہونے سے پہلے چھٹے ماہ میں وہ زمین ندی میں کٹ جائے، تو اصولاً باقی ۲۵۰ روپئے زمین والے پر ٹھیکہ لینے والے کو واپس دینا پڑے گا، کیونکہ زمین کا عین جس سے ٹھیکہ لینے والا فائدہ اٹھا رہا تھا وہ اب تلف ہوگیا ہے۔پھر وہ کرایہ کیوں ادا کرے گا؟ جبکہ قرض کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔بالفرض قرض میں لیا ہوا روپیہ قرض دار کے پاس سے ضائع ہوگیا، یا گم ہوگیا، یا جل گیا، تو اب قرض دینے والے سے یہ مطالبہ نہیں کیا جائے گا کہ تمہارا روپیہ چونکہ ضائع ہوگیا ہے، اس لئے تم دوبارہ روپیہ دو۔ بلکہ یہ نقصان قرض لینے والے کے ذمہ ہوگا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زمین کے کرایہ پر قرض کے معاملہ کو قیاس کرنا اور پھر اس سے بینک کے سود کو جائز ٹھہرانا درست نہیں ہے۔ اس سے آپ یہ بھی سمجھ گئے ہوں گے کہ بینک کے سود کو جائز ٹھہرانے والے ان ہی کمزور اور بے بنیاد دلیلوں کے آڑ میں سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ اور فریب دے رہے ہیں۔

۹۔ ''بیع سلم'' پر بینک کے سود کا قیاس:

بینک کے سود کو جائز ٹھہرانے کے لئے ایک شبہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ قرض پر سود کی حیثیت ''بیع سلم'' جیسی ہے، کیونکہ اس میں دونوں فریق کا نفع ہے۔ وہ اس طرح سے کہ قرض لینے والا سود پر مال حاصل کرتا ہے تاکہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکے۔ اور قرض دینے والا راس المال پر اس مہلت کے عوض زیادہ لیتا ہے جو اس نے قرض لینے والے کو دیا ہے۔ اور یہ ''بیع سلم'' جیسا ہی ہے، کیونکہ ''بیع سلم'' میں پہلے ہی کم دام ادا کیا جاتا ہے، تاکہ بعد میں اس ادھار سامان سے زیادہ نفع حاصل کر سکے۔ اور شریعت نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ قرض پر سود کو ہم اسی پر قیاس کر کے جائز سمجھتے ہیں، کیونکہ دونوں میں ایک ہی معنیٰ پایا جاتا ہے۔

ان کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ''بیع سلم'' اور قرض پر سود کے درمیان بہت بڑا فرق ہے اور ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قطعاً درست نہیں ہے، دونوں میں بنیادی فرق درج ذیل ہے:

۱۔ ''سلم'' بیع اور خرید وفروخت کی ایک قسم ہے، جس کے اجزائے ترکیبی میں قیمت اور سامان دونوں ہوتا ہے۔ اس میں نقد ہی سب کچھ نہیں ہوتا، بالفاظ دیگر روپئے کے بدلہ میں روپئے کا تبادلہ نہیں ہوتا۔ جبکہ قرض پر سود میں نقد ہی سب کچھ ہے، بلکہ نقد ہی اس کا مقصد وحید ہوتا ہے، دوسرے لفظوں میں روپئے کے بدلہ میں روپئے کا تبادلہ ہوتا ہے جو بصراحت حدیث ربا الفضل حرام ہے۔

۲۔''بیع سلم'' میں خریدنے والا ہر حال میں نفع کمانے والانہیں ہوتا، کیونکہ اکثر اس سامان کی قیمت گھٹ جاتی ہے جو اس نے خریدا ہے اور کبھی بڑھ بھی جاتی ہے، اس طرح ''بیع سلم'' میں نفع کی ضمانت نہیں ہوتی اور تجارت میں جو خطرات ہوتے ہیں وہ سب اس میں پائے جاتے ہیں۔اس کے برعکس قرض پر سود میں پہلے ہی نفع کی ضمانت اور گارنٹی ہوتی ہے۔اس میں کسی قسم کا خطرہ یا رِسک (Risk) نہیں ہوتا۔

۳۔''بیع سلم'' میں تجارت، زراعت اور صنعتی پیداوار وغیرہ کی ایک قسم کی ترغیب وحوصلہ افزائی ہوتی ہے جو زندگی کی گاڑی کو آگے بڑھانے اور اقتصادی حرکت ونشاط میں مہمیز کا کام دیتی ہے۔جبکہ قرض پر سود میں یہ بات موجود نہیں، کیونکہ اس میں کساد بازاری، زرعی، صنعتی اور تجارتی ترقی میں رکاوٹ ہوتی ہے اور اس سے تجارتی حرکت وسرگرمی ٹھپ ہوکر رہ جاتی ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہاں پر سود کو جائز ٹھہرانے والے سادہ لوح لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں اور دعوت الی المنکر کے مرتکب ہورہے ہیں۔

۱۰۔بعض معاصر کے بینک کے سود کے جواز پر احادیث سے استدلال کا جائزہ:

بعض معاصر کے چند احادیث پاک سے استدلال کر کے بینک کے سود کو جائز ٹھہرانے کا تفصیلی جائزہ لینے سے پہلے قارئین کی خدمت میں اسلامی قوانین کی کچھ تفصیل پیش کردینا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ انہیں آئندہ کی بحث وگفتگو کو سمجھنے میں آسانی وسہولت ہو۔

اسلامی قانون کے مطابق اگر کوئی شخص بینک میں اپنی امانت رکھتا ہے تو اس کی دوصورت ہے۔پہلی صورت یہ کہ وہ بینک کو تصرف کی اجازت دے گا، اور دوسری صورت یہ کہ وہ بینک کو تصرف کی اجازت نہیں دے گا۔اگر بینک کو تصرف کی اجازت دیتا ہے، تو پھر اس کی بھی دو صورت ہے۔ایک یہ کہ وہ اپنے لئے نفع کی متعین مقدار کی شرط لگالے۔اور دوسری صورت یہ

کہ وہ نفع کی متعین مقدار کی شرط نہ لگائے۔اب اگر وہ اپنے لئے نفع کی متعین مقدار کی شرط لگاتا ہے،تو یہ صورت امانت سے بدل کر مضاربت کی صورت اختیار کرلے گی اور نفع فریقین میں حسب شرط تقسیم ہوگا۔اگر بینک کو نقصان ہو جائے تو امانت دینے والے کو کچھ بھی واپس کرنا لازم نہیں ہوگا، کیونکہ بینک اس صورت میں وکیل کے حکم میں ہے اور اس میں ضمانت کی شرط درست نہیں ہے۔البتہ اگر بینک خیانت کرے، یا عمداً کوتاہی برتے،تو پھر بینک روپیہ والے کو اس کا روپیہ واپس دینے کا ضامن ہوگا۔

اور اگر مال والے نے نفع کی کسی متعین مقدار کی شرط نہیں لگائی ہے،تو اس صورت میں سارا نفع بینک کا ہوگا اور مال والے کو اپنا راس المال کے سوا کچھ بھی زیادہ لینے کا حق نہیں ہوگا۔

اور اگر مال والے نے بینک کو تصرف کی اجازت نہیں دی ہے اور اس کے باوجود بینک اس کے مال میں تصرف کرتا ہے،تو ایسی صورت میں سارا نفع مال والے کو ملے گا اور بینک کو رواج وعرف کے مطابق صرف اجرت ومزدوری لینے کا حق ہوگا۔اور اگر نقصان ہو جائے ،تو سارا نقصان صرف بینک برداشت کرے گا۔(**المعاملات المصرفية وموقف الشريعة الإسلامية منها** ص ۴۸-۴۹)۔

اب بعض معاصر نے بینک کے سود کو جائز ٹھہرانے کے لئے چند احادیث پاک سے جو استدلال کیا ہے، اس کو بغور پڑھئے اور استدلال کے بودے پن،رکاکت اور قیاس مع الفارق پر سر پیٹئے،موصوف نے کچھ اس طرح سے استدلال کیا ہے:

''بینک دوسرے کے سرمایہ سے اس کی رضامندی کے بغیر تجارت کرتا ہے، اور تجارت کے نفع کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔اس لئے بینک اور اس میں روپیہ جمع رکھنے والے دونوں کے لئے یہ نفع حلال ہے۔دلیل میں عروہ بن ابی الجعد بارقی اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما کی

روایتوں کو پیش کیا گیا ہے، جن میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عروہ کو ایک بکری اور حکیم بن حزام کو ایک قربانی کا جانور خریدنے کے لئے ایک ایک دینار دیا۔ دونوں صحابیوں نے ان دیناروں سے ایک بکری اور ایک مینڈھا خریدا، اور پھر اس بکری ومینڈھے کو دو دو دینار میں فروخت کر دیا، پھر ایک ایک دینار سے ایک ایک بکری ومینڈھا خریدا اور درمیانی نفع والے دینار کے ساتھ بکری ومینڈھا نبی کریم ﷺ کو لا کر دے دیا۔ یہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے دونوں کے لئے ان کی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی''۔

موصوف کا استدلال اس طرح ہے کہ دونوں صحابیوں نے نبی کریم ﷺ کے عطا کئے ہوئے دینار سے آپ ﷺ کی رضا مندی کے بغیر تجارت کی اور نفع والے دینار کے ساتھ بکری اور مینڈھا نبی کریم ﷺ کو دے دیا۔(غور کریں کہ دونوں صحابیوں نے نفع کا دینار خود نہیں رکھا بلکہ نفع کا دینار وبکری نبی کریم ﷺ کو واپس کر دیا، جبکہ بینک اپنے پاس سارا نفع رکھ لیتا ہے اور تھوڑا فائدہ امانت داروں کو دیتا ہے)۔

تیسری دلیل حدیث غار ہے، جس میں ہے کہ تین آدمی ایک غار میں پھنس گئے، تینوں نے اپنے اپنے نیک اعمال کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ وہ غار کے منہ سے چٹان کو ہٹا دے۔ان تین میں سے ایک آدمی نے اپنے نیک عمل کا اس طرح واسطہ دیا:''اے اللہ! میں نے ایک آدمی کو ساڑھے سات کیلو چاول کے عوض مزدور رکھا تھا۔ جب میں نے اس پر اس کی مزدوری پیش کی، تو وہ ناراض ہو گیا اور اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا۔ میں اس کی مزدوری کے چاول کو بڑھاتا رہا، یہاں تک کہ اس چاول کے پیسہ سے ایک چرواہا اور گائے کا ریوڑ جمع کر لیا۔ پھر وہ شخص مزدوری لینے آیا، تو میں نے چرواہا سمیت گائے کا ریوڑ اس کو دے دیا۔

مذکورہ تینوں احادیث پاک سے موصوف نے درج ذیل مسائل مستنبط کئے:

ا۔ دوسرے کے سرمائے سے اس کی رضا مندی کے بغیر تجارت کرنے والا جو نفع کمائے وہ

سارا سرمایہ والے کو دے سکتا ہے۔(کیونکہ یہ اس کا حق اور یہی اسلامی قانون ہے)۔

۲۔سارا نفع خود رکھ سکتا ہے۔ (یہ درست نہیں،صرف اپنا حق محنتانہ یعنی اجرت لے سکتا ہے)۔

۳۔اس نفع کا بعض حصہ سرمایہ والے کو دے سکتا ہے اور باقی نفع خود رکھ سکتا ہے۔**اور بینک کا کاروبار اس تیسری صورت کے ضمن میں آتا ہے۔لہذا بینک کا سود،سود نہیں بلکہ تجارتی نفع ہے،جو جائز وحلال ہے۔** (یہ اسلام پر بہت بڑا بہتان ہے،اسلام میں ایسا کوئی قانون نہیں ہے)۔

مذکورہ تینوں احادیث پاک پر اگر آپ تحقیقی نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ یہاں پر غلط استدلال،قیاس مع الفارق،اپنے بونے پن اور قصورِ فہم کا ثبوت دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عروہ اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما کو ایک ایک دینار دے کر بکری اور قربانی کا جانور خریدنے کے لئے اپنا وکیل بنایا تھا،مضارب نہیں۔ ملاحظہ ہو(مرقاۃ المفاتیح ج۳ ص۳۳۴)۔**اور وکیل کو جس معاملہ میں وکیل بنایا جائے،اس کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ تصرف کرے۔اگر عام اجازت ہو تو کوئی اشکال نہیں،اور اگر عام اجازت نہ ہو تو موکل کے اذن پر موقوف ہوتا ہے،اگر موکل راضی ہوجائے تو بیع درست ہوگی،ورنہ باطل۔** ملاحظہ ہو(فتح الباری ج۴ص ۵۶۹)۔چونکہ نبی کریم ﷺ نے مذکورہ دونوں صحابیوں کو بکری اور قربانی کا جانور خریدنے کے لئے اپنا وکیل بنایا تھا۔اب عروہ بن ابی الجعد البارقی رضی اللہ عنہ کو ایک دینار میں دو بکری مل گئی۔اس لئے انہوں نے زائد حاجت بکری کو ایک دینار میں فروخت کر دیا،اور دینار و بکری نبی کریم ﷺ کو لاکر دے دیا۔اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے قربانی کا مینڈھا خریدا اور کسی سبب کی بنیاد پر اس جانور کو دو دینار میں فروخت کر دیا اور پھر ایک دینار سے مینڈھا خریدا اور دینار و مینڈھا نبی کریم ﷺ کو لاکر دے دیا۔

اب آپ غور کریں کہ دونوں صحابی رسول ﷺ نے آپ کی اجازت کے بغیر یہ درمیانی

تصرف کیا، یا دونوں کو آپ ﷺ کی طرف سے اس کی اجازت حاصل تھی؟ اصول وقرائن بتاتے ہیں کہ مذکورہ دونوں صحابیوں کو آپ ﷺ کی طرف سے اجازت حاصل تھی۔ کیونکہ اصول یہ ہے کہ وکیل کو جس معاملہ میں وکیل بنایا جاتا ہے، اس میں اسے تصرف کی اجازت ہوتی ہے۔ اور قرینہ کی کھلی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں صحابیوں کو ان کی تجارت میں برکت کی دعا دی، جس کا نتیجہ یہ تھا اگر وہ مٹی بھی اٹھا لیتے تو اس میں ان کو نفع حاصل ہوتا تھا۔ پھر یہ کہنا کہ دونوں صحابی رسول ﷺ نے آپ کی اجازت کے بغیر یہ خرید وفروخت کا معاملہ کیا تھا، حقیقت سے کوسوں دور ہے اور حدیث کو صحیح ڈھنگ سے سمجھنے میں قصور وفتور ہے۔ پھر اسی غلط فہم کی بنیاد پر وہ ساری عمارت کھڑی کی گئی ہے جو ماضی کے شراح حدیث سے لے کر عصر حاضر تک کے کسی شارح حدیث نے نہیں کہی ہے۔ ملاحظہ ہو (فتح الباری: ج ۴ ص ۷۷۴ - ۵۲۶، وج ۶ ص ۷۳۳ - ۷۳۴)، (تحفۃ الاحوذی: ج ۴ ص ۴۶۹ - ۴۷۲)، (عون المعبود: ج ۹ ص ۲۳۸ - ۲۴۵)، (سبل السلام: ج ۳ ص ۵۵)، (نیل الاوطار: ج ۵ ص ۲۷۰ - ۲۷۱)، مرقاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۳۳۴)۔ سچ ہے ع

خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا می رسد دیوار کج

(معمار اگر بنیاد کی پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھ دے تو آسمان تک دیوار ٹیڑھی ہی جائے گی، سیدھی نہیں جا سکتی)۔

نبی کریم ﷺ نے مذکورہ دونوں صحابیوں کو اپنا مضارب نہیں بنایا تھا، اور مضارب کا مطلب یہ ہے کہ تم میرے روپئے سے تجارت کرو، تجارت کا نفع ہم دونوں میں حسب اتفاق تقسیم ہوگا۔ **بلکہ ان کو اپنا وکیل بنایا تھا اور وکالت میں نفع یا نقصان کی تقسیم کا کوئی سوال ہی نہیں۔ البتہ وکیل اپنا حق محنتانہ واجرت لے سکتا ہے۔** یہاں پر وکیل والے مسئلہ کو مضارب والے مسئلہ پر قیاس کیا گیا ہے جو قیاس مع الفارق، غلط اور باطل ہے۔

بینک حسب صراحت موصوف کھاتہ داروں کے روپئے کا مضارب ہے (اگر صحیح معنوں میں بینک تجارت کرتا ہے، جبکہ بینک خود تجارت نہیں کرتا، بلکہ تاجروں، کمپنیوں اور عام صناعوں کو سود پر قرض دیتا

ہے)، وکیل نہیں۔ پھر شریعت اسلامیہ جس مضاربت کو جائز قرار دیتی ہے، اس کے شرائط بینک کے تعامل میں نہیں پائے جاتے، مثلاً مضاربت میں فریقین نفع ونقصان میں شریک ہوتے ہیں۔ بینک میں روپیہ رکھنے والا صرف نفع میں شریک ہوتا ہے، نقصان میں نہیں، جس سے مضاربت کی شرعی حیثیت باطل ہوجاتی ہے اور اسے سود کے دائرہ میں لے آتی ہے۔

غار والی حدیث کو ایک بار پھر غور سے پڑھئے، تو معلوم ہوگا کہ اس شخص نے مزدور کے پیسہ سے تجارت کیا ہی نہیں، بلکہ اپنے پیسے سے مال بڑھایا تھا، کیونکہ جب تک مزدور کو اس کی مزدوری نہیں دے دی جاتی، اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوسکتی۔ بالفرض اگر مالک کے پاس سے وہ چاول چوری ہوجاتا، یا جل جاتا، یا کسی اور طریقہ سے ضائع ہوجاتا، تو کیا مالک کو یہ کہنے کا حق ہوتا کہ چونکہ تمہاری مزدوری ضائع ہوگئی ہے، اس لئے تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا، اور کیا اس کا یہ عذر کسی بھی عدالت میں قابل تسلیم ہوگا۔ اگر نہیں، تو ثابت ہوا کہ اس نے مزدور کے پیسہ سے کچھ بھی نہیں بڑھایا تھا۔ اب اس نے جو کچھ بھی کیا وہ اس مزدور پر احسان تھا اور یہ احسان خالصتاً اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ اور اس نے گائے وچرواہا دے کر اس مزدور پر احسان کیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس نے اسی عمل احسان کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تھی۔

اب اس حدیث سے یہ استدلال کہ مالک نے مزدور کے چاول سے اس کی رضامندی کے بغیر تجارت کی تھی، غلط ہی نہیں بلکہ بے بنیاد اور مضحکہ خیز ہے۔ اور اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جیسے مجتہدانہ بصیرت والے محدث کو بھی اس معاملہ میں گھسیٹ لیا گیا کہ آپ نے (**بَابُ التِّجَارَةِ فِي مَالِ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِه**) کا باب اپنی صحیح بخاری میں قائم کیا ہے، جبکہ پوری بخاری شریف میں کہیں پر بھی ان الفاظ کے ساتھ اس باب کا نام ونشان نہیں ہے۔ **سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ**۔ اور اسلام جیسے عدل وانصاف پر مبنی دین کے

بارے میں کیسے یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس بات کی اجازت دے گا کہ کوئی دوسرے کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرے۔ جبکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مہمان بھی میزبان کی اجازت کے بغیر اس کی خاص جگہ میں بیٹھنے کا مجاز نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی شخص مسجد کے امام کی اجازت کے بغیر اس مسجد میں امامت کر سکتا ہے، ارشاد نبوی ہے: ﴿**عَنْ اَبِی مَسْعُودٍ الاَنصَارِی قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ......وَلَايُؤَمُّ الرَّجُلُ فِی سُلطَانِهِ وَلَايُجلَسُ عَلیٰ تَكرِمَتِهِ فِی بَيتِهِ إلَّا بِإذنِهِ**﴾ ''ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ......اور آدمی کے اقتدار میں اس کی امامت نہ کی جائے اور نہ اس کے گھر میں عزت کی جگہ پر اس کی اجازت کے بغیر بیٹھا جائے''۔ (مسلم: ۱۰۷۸، ابوداؤد: ۴۹۴، نسائی: ۷۷۲، ترمذی: ۲۱۸، ابن ماجہ: ۹۱۰)۔

پھر اسلام دوسرے کے مال میں تجارت جیسا تصرف کرنے اور اس کی اجازت کے بغیر مال کھانے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے؟ یہ اسلام کی ایسی بگڑی، مشبوہ اور مسخ شدہ تعبیر ہے جسے کوئی بھی صاحبِ عقل اور دانش مند آدمی درست نہیں کہہ سکتا۔ درج ذیل حدیث کو ذرا غور اور ٹھنڈے دل سے پڑھئے: ﴿**عَنِ ابنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: لاَ يَخطُبُ الرَّجُلُ عَلیٰ خِطبَةِ اَخِيهِ وَلاَ يَبِيعُ عَلیٰ بَيعِ اَخِيهِ إلَّا بِإذنِهِ**﴾ ''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کوئی آدمی اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر اپنا پیغام نہ دے، اور نہ بھائی کے خرید وفروخت پر اس کی اجازت کے بغیر خرید وفروخت کرے''۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، مؤطا، سب نے کتاب النکاح میں روایت کیا ہے)۔

غور طلب ہے کہ اسلام جب اپنے روپئے سے دوسرے کے خرید وفروخت پر خرید وفروخت کی اجازت نہیں دیتا، تو دوسرے کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر خرید وفروخت

کی اجازت کیسے دے سکتا ہے؟

جبکہ بینک اور اس جیسے دیگر تجارتی ادارے خالص زر پرستی، ذخیرہ اندوزی اور استحصال کی غرض سے قائم کئے گئے ہیں۔ ان اداروں کا مقصد وحید صرف یہ ہے کہ سود کا لالچ دے کر افراد وقوم کی دولت زیادہ سے زیادہ اپنے قبضہ وتصرف میں لیں اور انتہائی شاطری کے ساتھ پوری قوم پر حکمرانی کریں۔ جہاں چاہیں قحط برپا کردیں اور جہاں چاہیں بھوکوں ماردیں، جہاں چاہیں اپنی پسند کی حکومت لائیں اور جہاں چاہیں اپنی پالیسی کو جبراً نافذ کریں، جب چاہیں زر کی گردش پھیلا دیں اور جب چاہیں زر کو سکیڑ کر مارکیٹ میں کساد بازاری عام کردیں، جس کو چاہیں شکست دلوادیں اور جس کو چاہیں حکومت کی گدی پر بٹھا دیں۔ اب قارئین خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ خالص دینداری اور رضائے الٰہی والے معاملہ پر خالص دنیاداری اور زر اندوزی والے معاملہ کو قیاس کرنا اور اسے جائز قرار دینا کہاں تک درست ہوسکتا ہے؟؟

مذکورہ تینوں احادیث پاک کو ایک بار پھر غور سے پڑھئے، کیا ان احادیث میں کہیں پر یہ بات ہے کہ بھائیو! تم ہمیں اپنا سرمایہ دو، ہم تمہارے سرمائے کی حفاظت بھی کریں گے اور اوپر سے سود بھی دیں گے۔ نیز کہیں پر یہ شرط اور تعیین ہے کہ اگر تمہارا روپیہ ہمارے پاس ایک سال رہے گا تو ٪۸ فیصد نفع دیں گے، پانچ سال رہے گا تو دوگنا دیں گے اور دس سال رہے گا تو تین گنا دیں گے، یا دیگر الفاظ میں جتنی مدت زیادہ ہوگی اتنا ہی زیادہ دیں گے۔ جبکہ راس المال پر مہلت کے عوض شرط اور تعیین کے ساتھ زیادہ لینے یا دینے کا نام سود ہے۔ آپ ایک بار پھر سود کی تعریف اور جاہلیت میں رائج سود پر غور کریں، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بینک کے سود اور جاہلیت کے سود میں کوئی فرق نہیں ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے قطعی طور پر حرام کیا ہے۔

بینک کے سود کے حرام ہونے پر اجماع

پیارے مسلمان بھائیو! بات یہیں پر ختم نہیں ہوگئی بلکہ عالم اسلام اور دنیا کے مختلف دارالسلطنت میں بینک کے سود کے بارے میں کانفرنس اور سیمینار منعقد کئے گئے اور وہاں متفقہ طور پر یہ فیصلہ لیا گیا کہ بینک کا سود قطعی طور پر حرام ہے، جس کے حرام ہونے پر ادنیٰ درجہ کا شک بھی نہیں۔ کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ کی طرف سے منعقدہ ''اقتصاد اسلامی کی پہلی کانفرنس'' جس میں دنیا بھر کے تین سو سے زائد ماہرین فقہ واقتصادیات اور اسپیشلسٹ (Specialists) نے شرکت کی اور انہوں نے متفقہ طور پر بینک کے سود کو حرام قرار دیا، ان میں سے ایک شخص بھی بینک کے سود کے حرام ہونے میں اختلاف نہیں کیا، بلکہ دلچسپ امر یہ دیکھنے میں آیا کہ اقتصادیات کے ماہرین نے علماء دین کے مقابلہ میں اس کے حرام ہونے پر زیادہ سرگرمی دکھائی''۔ (**فوائد البنوک: هی الربا الحرام ، ڈاکٹر یوسف قرضاوی**) اور ظاہر ہے (**الخبیر ادریٰ من غیرہ**) اقتصادیات کے ماہرین بینک کی باریکیوں کی زیادہ سمجھ رکھتے ہیں۔

پیارے مسلمان بھائیو! اخیر میں آپ کی واقفیت کے لئے ہم یہ عرض کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ بینک کے سود کے حرام ہونے پر مختلف فقہی اور اسلامی اقتصادی کانفرنسوں، تنظیموں اور سیمیناروں میں اجماع منعقد ہو چکا ہے اور یہی وہ سود ہے جس کے حرام ہونے پر کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔ اور یہ اجماع ۱۹۶۵ء سے لے کر آج تک قائم ہے۔ یہاں ہم صرف تین عالمی کانفرنسوں کے اجماع نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

۱۔ازہر یونیورسٹی قاہرہ کے ''اسلامک ریسرچ اکیڈمی'' (**مجمع البحوث الإسلامية**) کا اجماع، منعقدہ مئی ۱۹۶۵ء مطابق محرم ۱۳۸۵ھ۔

۲۔''مسلم ورلڈ لیگ'' کے ''فقہ اکیڈمی'' (**المجمع الفقهی لرابطة العالم**

الإسلامی) کا اجماع منعقدہ ۱۲-۱۹ رجب ۱۴۰۶ھ۔

۳۔ ''تنظیم اسلامی کانفرنس'' جدہ کے ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' (**مجمع الفقہ الإسلامی**) کا اجماع منعقدہ ۱۰-۱۶ ربیع الثانی مطابق ۲۲-۲۸ دسمبر ۱۹۸۵ء۔

چونکہ مذکورہ بالا کانفرنسوں میں تقریباً ایک ہی طرح کی قرارداد پاس کی گئی ہے، اس لئے ہم یہاں صرف قاہرہ میں منعقدہ ''اسلامک ریسرچ اکیڈمی'' **(مجمع الفقہ الإسلامی)** کی دوسری کانفرنس کی قرارداد نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس میں (۳۵) ملکوں کے مندوبین نے شرکت کی تھی۔

نقل اسلامک ریسرچ اکیڈمی کی قرارداد دوسری کانفرنس

منعقدہ بتاریخ محرم ۱۳۸۵ھ مطابق مئی ۱۹۶۵ء

۱۔ کسی بھی قسم کے قرض پر فائدہ لینا حرام سود ہے، اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ قرض ذاتی ضروریات کے لئے لیا گیا ہو، یا تجارتی حاجات کے لئے لیا گیا ہو، کیونکہ کتاب وسنت کے نصوص دونوں قسم کے سود کو حرام قرار دیتے ہیں۔

۲۔ سود خواہ معمولی مقدار میں ہو، یا زیادہ مقدار میں بہرصورت حرام ہے۔ اور آیت: ﴿**يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَاكُلُوا الرِّبَا اَضعَافاً مُضَاعَفَةً**﴾ (آل عمران: ۱۳۰) ''اے ایمان والو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ''، کا صحیح مفہوم یہی ہے۔

۳۔ قرض پر سود لینا حرام ہے، یہ کسی بھی ضرورت اور کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہوسکتا۔ نیز قرض پر سود دینا حرام ہے، اور سودی قرض لینے کا گناہ اس صورت میں معاف ہوسکتا ہے جب سود پر قرض لینے پر آدمی انتہائی مجبور و مضطر ہوگیا ہو۔ لیکن یہ صرف مجبوری کی حد تک معاف ہوگا، اور مجبوری کی حد آدمی کے احساس دینداری پر موقوف ہے۔

۴۔ بینک کرنٹ اکاؤنٹ، چیک بھجانا، ایل سی(LC) کھولنا، ملک کے اندر بل آف ایکسچینج کا جو معاملہ اپنے تاجروں کے ساتھ کرتا ہے، یہ سب جائز امور ہیں اور بینک اس پر جو اجرت لیتا ہے وہ سود نہیں ہے۔

۵۔ محدود مدت کے لئے اکاؤنٹ(Fixed Deposit)، فائدہ کے ساتھ ایل سی(LC) کھولنا اور وہ تمام قرض جو سود کے ساتھ دیا جاتا ہے، یہ سب سودی معاملات ہیں اور حرام ہیں۔

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کے اراکین کے ناموں کی فہرست

نمبر	نام	ملک	منصب وعہدہ
۱۔	عزت مآب امام اکبر حسن مامون	مصر	وائس چانسلر ازہر یونیورسٹی
۲۔	ڈاکٹر ابراہیم عبدالمجید لبان	مصر	سابق ڈین دارالعلوم
۳۔	ڈاکٹر اسحاق موسیٰ حسینی	فلسطین	پروفیسر امریکن یونیورسٹی برائے ہائی ایجوکیشن فارعربس
۴۔	ڈاکٹر سلیمان حرین	مصر	وائس چانسلر اسیوط یونیورسٹی، مصر
۵۔	ڈاکٹر عبدالحلیم محمود	مصر	ڈین اصول دین کالج
۶۔	پروفیسر عبدالحمید حسن	مصر	سابق پروفیسر دارالعلوم کالج
۷۔	عزت مآب عبدالرحمٰن حسن	مصر	سابق ریکٹر ازہر یونیورسٹی
۸۔	عزت مآب عبدالرحمٰن قلهو د	لیبیا	سابق وزیر عدل
۹۔	پروفیسر عبداللہ کون	مغرب	پروفیسر مغرب یونیورسٹی وسابق گورنر طنجہ
۱۰۔	ڈاکٹر عثمان خلیل عثمان	مصر	پروفیسر قانون وحقوق، قاہرہ

۱۱۔ ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر	مصر	ڈین شریعت کالج
۱۲۔ شیخ علی الخفیف	مصر	سابق پروفیسر قانون وحقوق
۱۳۔ شیخ علی عبدالرحمٰن	سوڈان	سابق وزیر داخلہ سوڈان
۱۴۔ شیخ محمد احمد ابوزہرہ	مصر	سابق پروفیسر قانون وحقوق
۱۵۔ شیخ محمد احمد فرج السنہوری	مصر	سابق وزیر اوقاف
۱۶۔ ڈاکٹر محمد البہی	مصر	سابق وزیر اوقاف
۱۷۔ ڈاکٹر محمد حب اللہ	مصر	جنرل سکریٹری اسلامک ریسرچ اکیڈمی
۱۸۔ پروفیسر محمد خلف اللہ احمد	مصر	ریکٹر عین شمس یونیورسٹی
۱۹۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ العربی	مصر	ڈین اسلامک اسٹڈیز انسٹی ٹیوٹ وسابق پروفیسر قانون وحقوق
۲۰۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ ماضی	مصر	ریکٹر ازہر یونیورسٹی
۲۱۔ شیخ محمد علی السایس	مصر	سابق ڈین اصول دین کالج
۲۲۔ شیخ محمد الفاضل بن عاشور	تونس	ڈین زیتونہ یونیورسٹی ومفتی تونس
۲۳۔ ڈاکٹر محمد مہدی علام	مصر	مشیر فنی وزارت ثقافت وارشاد
۲۴۔ شیخ محمد نور الحسن	مصر	سابق ریکٹر ازہر یونیورسٹی
۲۵۔ شیخ ندیم الجسر	لبنان	مفتی طرابلس وشمالی لبنان
۲۶۔ پروفیسر وفیق القصار	لبنان	سابق ڈین حقوق کالج

ان کے علاوہ (۳۵) ملکوں کے نمائندہ علماء کرام کی ایک بڑی تعداد کا نام ہم نے بغرض اختصار ترک کردیا۔

مفتی مصر نے بینک کے سود کے جواز پر فتویٰ دیا تھا، اس کے جواب میں (۳۳) علماء ازہر نے ایک علمی بیان مکہ مکرمہ میں شائع کیا، اس بیان پر دستخط کرنے والوں کے نام مع ان کے دستخط کی نقل درج ذیل ہے:

یہاں پر دستخط کی نقل کی فوٹو کاپی کا صفحہ اول چسپاں کریں

مفتی مصر نے بینک کے سود کے جواز پر فتویٰ دیا تھا، اس کے جواب میں (۳۳) علماء ازہر نے ایک علمی بیان مکہ مکرمہ میں شائع کیا، اس بیان پر دستخط کرنے والوں کے نام مع ان کے دستخط کی نقل درج ذیل ہے:

یہاں پر دستخط کی نقل کی فوٹو کاپی کا دوسرا صفحہ چسپاں کریں

سودی بینک کا متبادل

گزشتہ صفحات میں بینک کے مروجہ نظام کی قدرے وضاحت کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ بینک کے موجودہ نظام کی بنیاد صرف سود ہے۔ اب یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر سود کو ختم کر دیا جائے، تو بینک کے نظام کو چلانے کا متبادل طریقہ کیا ہو۔ اس سلسلہ میں کچھ تجاویز رکھی جاتی ہیں:

سودی بینکاری کے متبادل نظام پر گفتگو سے پہلے چند باتیں ذہن نشین کر لینا نہایت ضروری ہے:

ا۔ سودی بینکاری کا متبادل تلاش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بینک کے جو کام موجودہ تجارتی حالات میں ضروری یا مفید ہیں، ان کی انجام دہی کے لئے ایسا طریق کار اختیار کیا جائے جو شریعت اسلامیہ کے اصولوں کے دائرہ میں ہو اور جس سے شریعت کے معاشی مقاصد پورے ہوں، اور جو کام شرعی اصولوں کے مطابق ضروری یا مفید نہیں ہیں اور جنہیں شرعی اصولوں کے مطابق ڈھالا نہیں جا سکتا، ان سے اعراض کیا جائے۔

۲۔ چونکہ سود کی قانوناً ممانعت کا اثر تقسیم دولت کے پورے نظام پر پڑتا ہے، اس لئے یہ توقع کرنا بھی غلط ہوگا کہ سود کے شرعی متبادل کو برسرکار لانے سے تمام متعلقہ فریقوں کے نفع کا تناسب وہی رہے گا جو اس وقت کے سودی نظام میں پایا جاتا ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر اسلامی احکام کو ٹھیک ٹھیک روبکار لایا جائے، تو اس تناسب میں بڑی بنیادی تبدیلیاں آئیں گی جو اسلامی مثالی معیشت کے لئے مطلوب ہیں۔

۳۔ آج کل بینک جو خدمات انجام دیتا ہے، ان میں یہ پہلو مفید ہے کہ وہ لوگوں کی منتشر انفرادی بچتوں کو یکجا کر کے انہیں صنعت وتجارت میں استعمال کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہ بچتیں اگر ہر شخص کی اپنی تجوری میں پڑی رہتیں، تو ان سے صنعت وتجارت کے فروغ میں کوئی فائدہ

حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔لیکن ان بچتوں کو صنعت وتجارت میں مصروف کرنے کے لئے جو راستہ مروجہ بینکوں نے اختیار کیا ہے، وہ قرض کا راستہ ہے۔ چنانچہ یہ ادارے سرمایہ داروں کو اس بات کی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ دوسروں کے مالی وسائل کو اپنے منافع کے لئے اس طرح استعمال کریں کہ ان وسائل سے پیدا ہونے والی دولت کا زیادہ تر حصہ خود ان کے پاس رہے اور سرمایہ کے اصل مالکوں کو ابھرنے کا کما حقہ موقع نہ مل سکے۔

اسلامی احکام کی رو سے بینک کو ایک تجارتی ادارہ بنانا پڑے گا جو بہت سے لوگوں کی بچتوں کو اکٹھا کر کے ان کو براہ راست کاروبار میں لگائے اور وہ سارے لوگ براہ راست اس کاروبار میں حصہ دار بنیں اور ان کا نفع ونقصان اس کاروبار کے نفع ونقصان سے وابستہ ہو جو ان کے سرمایہ سے انجام دیا جا رہا ہے۔

۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ صدیوں سے جمے اور بیٹھے نظام کو بدل کر اس کی جگہ نیا نظام جاری کرنے میں ہمیشہ مشکلات پیش آتی ہیں، ان مشکلات کی بنا پر نئے نظام کو نا قابل عمل قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔ایسے میں ان مشکلات کا حل تلاش کیا جاتا ہے اور اسے روبکار لایا جاتا ہے۔

بینک کا شرعی طریق کار

بینک کا تعلق دو طرفہ ہوتا ہے، ایک طرف اس کا تعلق ان لوگوں سے ہوتا ہے جنہوں نے اپنی رقمیں بینک میں رکھوائی ہیں۔ دوسری طرف ان کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جن کو بینک سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ان دونوں قسم کے تعلقات پر الگ الگ گفتگو کی جاتی ہے۔

بینک اور ڈیپازیٹر (Depositors) کا تعلق:

موجودہ نظام میں بینک میں جو رقمیں رکھوائی جاتی ہیں آج کل بینک کی اصطلاح میں ان کو ''امانت'' کہا جاتا ہے۔لیکن فقہی اعتبار سے وہ حقیقت میں قرض ہوتا ہے۔اگر بینک کو اسلامی

طریقہ کے مطابق چلایا جائے، تو امانت داروں کے ساتھ بینک شرکت یا مضاربت کا معاملہ کرے گا۔ اس طریقہ میں وہ رقم قرض نہیں ہوگی، بلکہ اب صورت حال یہ ہوگی کہ رقم رکھوانے والے رب المال ہوں گے اور بینک مضارب ہوگا اور لگایا گیا سرمایہ راس المال ہوگا جس پر بینک کسی خاص شرح سے نفع دینے کا پابند نہیں ہوگا، بلکہ جو کچھ نفع حاصل ہوگا وہ ایک طئے شدہ تناسب (Percentage) کے مطابق تقسیم ہوگا۔

پھر کرنٹ اکاؤنٹ (Current Account) میں بینک آج بھی امانت داروں کو کوئی سود نہیں دیتا، اسلامی طریق کار میں بھی اس مد پر کوئی منافع نہیں دیا جائے گا اور کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھی ہوئی رقم امانت دار کی طرف سے بینک کو دیا ہوا غیر سودی قرض سمجھا جائے گا۔ البتہ دوسرے نفع بخش کھاتے ''مضاربت'' یا ''شرکت'' کے کھاتوں میں تبدیل ہو جائیں گے۔

بینکوں کی شرکت ومضاربت میں نفع کی تقسیم کا طریق کار اس طرح ہو کہ شرکاء کو یہ آزادی دی جائے کہ وہ جب چاہیں مخصوص قواعد کے مطابق بینک سے رقمیں نکالتے یا اس میں داخل کرتے رہیں۔ لیکن جب ایک مدت شرکت ختم ہو تو یہ دیکھا جائے کہ اس مدت میں کتنی رقم کتنے دن بینک میں رہی اور فی روپیہ فی یوم منافع کا اوسط کیا رہا۔ پھر جس شخص کے جتنے روپئے اس مدت کے دوران جتنے دن بینک میں رہے اس کے حساب سے نفع تقسیم کر دیا جائے۔

اسلام کے طریقہ ہائے تمویل

بینک کے اہم وظائف تمویل یعنی سرمایہ فراہم کرنے کے اسلامی طریقوں پر گفتگو کی جاتی ہے، شرعی نقطہ نظر سے اس کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں:

ا۔ شرکت ومضاربت:

سود کا صحیح اسلامی متبادل ''شرکت'' اور ''مضاربت'' کا طریقہ ہے جو سود سے بدرجہا اچھے

نتائج کا حامل ہے۔ یہ تمویل کا نہایت مثالی، عادلانہ اور منصفانہ طریقہ ہے جس کی تقسیم دولت پر بہت اچھے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ شرکت اور مضاربت کا نظام جاری ہونے کی صورت میں بینک کا باقاعدہ کاروبار میں عمل دخل ہوگا، اس کی حیثیت اب صرف روپے کے لین دین کے ادارے کی نہیں رہے گی۔

اصل اسلامی طریقہ تو ''مشارکت'' یا ''مضاربت'' ہی ہے، مگر بعض حالات میں مضاربہ ممکن نہیں ہوتا، مثلاً کسی کسان کو ٹریکٹر خریدنے کے لئے سرمائے کی ضرورت ہو، تو اس میں ''مضاربت'' ممکن نہیں، ایسی صورت میں چند اور بھی تمویل کے طریقے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۲۔ کرایہ واجارہ:

یہ بھی تمویل کا ایک شرعی طریقہ ہے جس کو انگریزی میں (Leasing) کہا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی بینک سے قرض لے کر خود ٹریکٹر خریدنے کے بجائے کسی بینک یا مالیاتی ادارے کو یہ کہے کہ یہ ٹریکٹر خرید کر ہمیں کرایہ پر دے دو۔ اس دوران ٹریکٹر کا مالک بینک یا مالیاتی ادارہ ہوگا اور وہ آدمی کرایہ دار کی حیثیت سے اسے استعمال کرے گا۔ کرایہ اس تناسب سے طے کیا جائے کہ اس میں ٹریکٹر کی قیمت بھی وصول ہو جائے اور اتنی مدت کے لئے اگر رقم سے بینک سے شراکت کی جاتی، تو اس پر جتنا نفع ملنا تھا وہ بھی وصول ہو جائے۔ جب یہ مدت گزر جائے اور کرایہ کی شکل میں ٹریکٹر کی قیمت بمعہ کچھ نفع کے وصول ہو جائے تو اب یہ ٹریکٹر اس آدمی کی مملوک بن جاتا ہے۔

۳۔ مرابحہ مؤجلہ:

اس کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شخص بینک سے قرضہ لینے کے لئے آئے تو بینک اس سے پوچھے کہ کس چیز کو حاصل کرنے کے لئے رقم درکار ہے؟ بینک اس کو رقم دینے کے بجائے وہ چیز

خرید کر ''مرابحہ'' کے طور پر نفع پر ادھار بیچ دے۔ نفع کی ایک شرح طئے کر کے ''مرابحہ'' اس لئے کیا جاتا ہے، تاکہ نظام میں یکسانیت رہے اور تمام لوگوں سے نفع ایک شرح کے ساتھ وصول ہو۔ نفع کی جو شرح طئے کی جاتی ہے اسے انگریزی میں مارک اپ (Mark up) کہتے ہیں۔

یہ بھی تمویل کا ایک جائز طریقہ ہوسکتا ہے، بشرطیکہ اس کو ٹھیک ٹھیک ضروری شرائط کے ساتھ انجام دیا جائے۔ اس لئے کہ ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرنا باتفاق فقہاء جائز ہے۔ اور اسلامی بینکوں میں اس طریقے پر بڑی وسعت کے ساتھ عمل ہو رہا ہے۔ لیکن یہ انتہائی نازک طریقہ ہے، اس میں ذراسی بے احتیاطی اس کو سودی نظام سے ملا دیتی ہے۔

پیارے بھائیو! سود ایک ہمہ گیر اور عالمگیر تباہی برپا کرنے کا دروازہ اور راستہ ہے اور بینک اس کی بین الاقوامی منڈی، اور یہ ہیں اس سے اجتناب کے قابل عمل اسلامی طریقے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حرام کردہ چیزوں کو دوٹوک لفظوں میں بیان کر دیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَقَد فَصَّلَ لَكُم مَا حَرَّمَ عَلَيكُم إلَّا مَا اضطُرِرتُم إلَيهِ﴾ (الانعام: ۱۱۹)

''حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتادی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے، مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہے''۔

اس لئے ایک پکے سچے مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ ہر ممکن طریقہ پر سود سے بچنے کی کوشش کرے بلکہ جہاں سود کا اشتباہ ہو وہاں سے بھی دور رہنے کی سعی کرے، کیونکہ جو شخص اللہ کے حدود کے اطراف میں چکر لگاتا ہے، اس کے لئے خطرہ ہے کہ کب اس کا پاؤں پھسل جائے اور وہ حرام میں مبتلا ہو جائے۔ نیز ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ہمیشہ اس بات سے خوف کھائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پر نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان صادق آ جائے: **﴿يَاتِي عَلىٰ النَّاسِ زَمَانٌ لاَ يُبَالِي المَرءُ مَا اَخَذَ مِنهُ اَ مِنَ الحَلاَلِ اَم مِنَ الحَرَامِ﴾** ''لوگوں پر ایک زمانہ ایسا

آئے گا کہ آدمی اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرے گا کہ اس نے جو کچھ لیا ہے، آیا وہ حلال ہے، یا حرام''۔ (بخاری ج۳ص۱۷وج۴ص۳۴۷، حدیث نمبر: ۱۹۱۸)۔

نیز اسے اس خوف سے کانپ اٹھنا چاہئے کہ کہیں وہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کا مصداق تو نہیں ہے: ﴿لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِن اُمَّتِی الخَمرَ يُسَمُّونَهَا بِغَيرِ اسمِهَا﴾ ''میری امت میں سے کچھ لوگ شراب کا نام بدل کر ضرور پیئیں گے''۔ (مسند احمد ج۵ص۳۴۳، صحیح الجامع: ۵۴۵۳)۔

اسی طرح کہیں وہ سود کا نام ''نفع''، یا ''بونس'' (Bonus)، یا ''عطیہ'' رکھ کر کھا تو نہیں رہا ہے؟ جبکہ خود بینک والا اسے ''سود'' یا (Interest) کہتا ہے۔ ''وَالفَضلُ مَا شَهِدَت بِهِ الاَعدَاءُ'' اور کمال کی بات تو یہ ہے کہ جس کی گواہی دشمن بھی دینے پر مجبور ہو۔

اور جو لوگ بینک کے سود کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کو اپنے اس رویہ پر دوبارہ غور کر لینا چاہئے کہ کہیں وہ دشمنان اسلام کی مدد اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں گھڑ رہے ہیں؟ اور کہیں وہ اس ارشاد ربانی کے مصداق تو نہیں بن رہے ہیں: **﴿قُل اَ رَاَيتُم مَا اَنزَلَ اللّٰهُ لَكُم مِن رِزقٍ فَجَعَلتُم مِنهُ حَرَاماً وَحَلاَلاً ، قُل آللّٰهُ اَذِنَ لَكُم اَم عَلیٰ اللّٰهِ تَفتَرُونَ﴾** (یونس: ۵۹) ''آپ کہئے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لئے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا۔ آپ پوچھئے کہ کیا تم کو اللہ نے حکم دیا تھا یا اللہ پر افترا کرتے ہو؟''۔ اور کیا وہ لوگ اس طرح اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑ کر کامیاب ہو سکتے ہیں؟ ارشاد ربانی ہے: **﴿وَلاَ تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ اَلسِنَتُكُمُ الكَذِبَ هٰذَا حَلاَلٌ وَهٰذَا حَرَامٌ لِتَفتَرُوا عَلیٰ اللّٰهِ الكَذِبَ ، إنَّ الَّذِينَ يَفتَرُونَ عَلیٰ اللّٰهِ الكَذِبَ لاَ يُفلِحُونَ﴾** (النحل: ۱۱۶) ''کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو

کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو، سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں''۔

یا کہیں وہ اس بات کے مصداق تو نہیں ہیں جو ابوسعید خدری نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا تھا: ﴿**يَا ابنَ عَبَّاسٍ إلىٰ مَتىٰ تُؤكِلُ النَّاسَ الرِّبَا ؟ اَ صَحِبتَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا لَم نَصحَب؟ اَ سَمِعتَ مِنهُ مَا لَم نَسمَع؟**﴾ ''اے عبداللہ بن عباس! آپ کب تک لوگوں کو سود کھلاتے رہیں گے؟ کیا صرف آپ نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت پائی ہے جو ہم نے نہیں پائی؟ یا صرف آپ ہی نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث سنی ہے جو ہم نے نہیں سنی؟''۔ یہ سن کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نہیں، ایسی بات نہیں! بلکہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے مجھ کو حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿**لاَ رِبَـا إلَّا فِي النَّسِيئَةِ**﴾ ''سود تو صرف قرض وادھار میں ہوتا ہے''۔ یہ سن کر ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ﴿**لاآوَانِي وَإيَّاكَ ظِلُّ بِيتٍ مَا دُمتَ عَلىٰ هٰذَا القَولِ**﴾ ''نہ مجھ کو اور نہ آپ کو کسی گھر کا سایہ پناہ دے سکتا ہے جب تک آپ اپنے اس فتویٰ پر قائم ہیں''۔ (واضح ہو کہ عبداللہ بن عباس فتویٰ دیا کرتے تھے کہ سونا کو سونا سے زیادتی کے ساتھ لین دین جائز ہے، جو بصراحت حدیث عبادہ بن صامت حرام ہے، اور مذکورہ حدیث سن کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے اپنے فتویٰ سے رجوع کرلیا تھا''۔ ملاحظہ ہو (المغنی ج۴ص۳) اور تفصیل ملاحظہ کیجئے (موقف الشريعة من المصارف الإسلامية المعاصرة بحواله المبسوط للسرخسي ج۲ص۱۱۱-۱۱۲ میں)۔

پیارے مسلمان بھائیو! اگر آپ نے نادانی سے، یا کسی شیطانی چکر میں پھنس کر، یا نفسانی خواہشات سے مغلوب ہوکر، یا کسی کے فتویٰ سے دھوکہ کھا کر بینک سے سود وصول کیا ہے اور اسے استعمال کیا ہے، یا بینک سے قرض لے کر اس کو سود دیا ہے تو آپ پر ضروری ہے کہ فوراً توبہ

کریں اور سود لینے یا سود دینے کے گناہ عظیم پر ہرگز اصرار نہ کریں، بلکہ ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جائیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَو ظَلَمُوا أَنفُسَهُم ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاستَغفَرُوا لِذُنُوبِهِم وَمَن يَغفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰهَ، وَلَم يُصِرُّوا عَلىٰ مَا فَعَلُوا وَهُم يَعلَمُونَ، أُولٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَغفِرَةٌ مِن رَبِّهِم وَجَنَّاتٌ تَجرِي مِن تَحتِهَا الأَنهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعمَ أَجرُ العَامِلِينَ﴾ (آل عمران: ۱۳۵-۱۳۶) ''اور جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے، اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے۔ انہی کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب بہت ہی اچھا ہے''۔

اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں، وہ بہت زیادہ بخشنے والا رحمٰن ورحیم ہے، اس کے یہاں تنگی نہیں ہے، وہ تو ہم سب کو پاک کرنا چاہتا ہے اور ہمیں جتنا جلد ممکن ہو سکے اپنی پاکی کی فکر کرنی چاہئے، ارشاد ربانی ہے: ﴿مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجعَلَ عَلَيكُم مِن حَرَجٍ وَلٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُم وَيُتِمَّ نِعمَتَهُ عَلَيكُم لَعَلَّكُم تَشكُرُونَ﴾ (المائدہ: ۶) ''اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ وہ تم پر تنگی کرے، وہ تو تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کرنا چاہتا ہے تاکہ تم شکر کرو''۔

''کیا اب بھی ایمان والوں کے پاس وہ وقت نہیں آیا کہ ان کا دل کانپ اٹھے، اللہ کی یاد اور حق بات کے آجانے سے''۔ ﴿أَلَم يَأنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخشَعَ قُلُوبُهُم لِذِكرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الحَقِّ﴾ (الحدید: ۱۶)۔

سود کے دلدل سے نکلنے کے طریقے

پیارے بھائیو! اب ہم آپ کو وہ راستہ بتا رہے ہیں جس سے آپ سود کے اس دلدل سے نکل سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس کی توفیق عطا کرے، ہمارے اندر سود سے بچنے کا جذبہ بیدار کرے اور ہمارے لئے شریعت پر عمل کرنا آسان بنائے، آمین ۔

ا: سود لینے اور سود دینے میں فرق:

سود لینے اور دینے میں فرق ہے، دونوں کی نوعیت یکساں نہیں ہے، کیونکہ سود پر قرض لینے کے لئے آدمی بعض ناگزیر حالات میں مجبور ہوسکتا ہے، یا دیگر الفاظ میں ایسی کوئی ناگہانی مصیبت جس میں آدمی سود پر قرض لینے کے لئے مجبور ہو جائے اور اس کے بغیر اس کے پاس کوئی دوسرا چارہ کار نہ ہو، یا جان یا عزت پر آفت آ گئی ہو، تو ایسی صورت میں ایک مجبور و مضطر انسان کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت ہوسکتی ہے، مگر سود لینے اور سود کھانے کے لئے فی الواقع کوئی مجبوری نہیں ۔ سود تو وہی لے گا جو مالدار ہو، اور مالدار کو ایسی کیا مجبوری پیش آ سکتی ہے کہ جس میں اس کے لئے سود لینا حلال ہو جائے ۔

۲۔ضرورت کی حد بندی:

سودی قرض لینے کے لئے ہر ضرورت اضطرار اور مجبوری کی تعریف میں نہیں آتی ۔ شادی بیاہ کی رسموں میں فضول خرچی کرنا، عیش وعشرت کے سامان مہیا کرنا، یا کاروبار کو ترقی دینے کے لئے روپیہ فراہم کرنا اور ایسے ہی دیگر امور جن کو ''ضرورت'' اور ''مجبوری'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جن کے لئے ہزاروں روپئے مہاجنوں اور بینکوں سے قرض لئے جاتے ہیں، کوئی حقیقی ضرورت اور مجبوری نہیں ہے ۔ اور شریعت کی نگاہ میں ان کی قطعاً کوئی وقعت نہیں ہے ۔ اور ان جیسی اغراض کے لئے جو لوگ قرض لے کر سود دیتے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں ۔ شریعت اگر

کسی مجبوری پر سودی قرض لینے کی اجازت دے سکتی ہے تو وہ اس قسم کی مجبوری ہے جس میں آدمی کے لئے حرام حلال ہوسکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾ (الانعام: ۱۱۹) ''مگر یہ کہ تم اس حرام کے کرنے پر مجبور ہو جاؤ''۔ مگر وہ تمام ذی استطاعت مسلمان گنہگار رہوں گے جنہوں نے اس مصیبت میں اپنے بھائی کی مدد نہیں کی اور اس کو اس فعل حرام کے ارتکاب پر مجبور کردیا۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس گناہ کا وبال پوری قوم پر ہوگا، کیونکہ اس نے زکوٰۃ وصدقات اور اوقاف کی تنظیم سے مجرمانہ غفلت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے افراد بے سہارا ہوگئے اور ان کے لئے اپنی ضرورتوں کے وقت ساہوکاروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کے سوا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا۔

۳۔ضرورت کی حد بقدر ضرورت ہے:

شدید مجبوری کی حالت میں بھی صرف بقدر ضرورت قرض لیا جا سکتا ہے۔ اور لازمی ہے کہ استطاعت بہم پہنچتے ہی سب سے پہلے سود سے گلو خلاصی حاصل کی جائے، کیونکہ ضرورت ختم ہو جانے کے بعد سود کا ایک پیسہ دینا بھی حرام مطلق ہے۔ یہ سوال کہ آیا ضرورت شدید ہے یا نہیں اور اگر شدید ہے تو کس قدر ہے اور کس وقت وہ رفع ہوگی، یہ بات اس شخص کی عقل اور احساس دین داری پر موقوف ہے، وہ جتنا زیادہ دین دار اور اس کا ایمان جتنا قوی ہوگا، اتنا ہی زیادہ وہ اس باب میں محتاط ہوگا۔

۴۔صرف اپنے مال کو ہی مال سمجھا جائے:

جو لوگ تجارتی مجبوریوں کی بنا پر، یا اپنے مال کی حفاظت کے لئے بینکوں میں روپیہ جمع کرانے پر مجبور ہوجائیں، ان کے لئے لازم ہے کہ وہ صرف اپنے راس المال ہی کو اپنا مال سمجھیں، ارشاد ربانی ہے: ﴿وَإِن تُبتُم فَلَكُم رُؤسُ اَموَالِكُم﴾ (البقرہ: ۲۷۹) ''ہاں!

اگر تم سود سے توبہ کرلو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے''۔ اور اس راس المال سے بھی ڈھائی فیصدی سالانہ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کریں۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ جمع شدہ رقم ان کے لئے ایک نجاست ہوگی اور بروز قیامت وبال جان۔

۵۔سود کے روپیہ کو مضطر لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے:

بینک یا انشورنس کمپنی سے سود کی جو رقم آدمی کے حساب میں نکلتی ہو، اس کو ہندوستانی تناظر میں بینک والوں کے پاس نہیں چھوڑنا چاہیئے، کیونکہ یہ ان مفسدوں کے لئے مزید تقویت کی موجب ہوگی۔ بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس رقم کو ان مفلس، نادار اور مجبور لوگوں پر خرچ کر دیا جائے جن کی حالت قریب قریب وہی ہے جس میں حرام کھانا انسان کے لئے جائز ہو جاتا ہے۔ جیسے کینسر وایدز کے مریض کے لئے علاج اور بھوک سے جان بچانے کے لئے سور کھانا وغیرہ۔ اور اس معاملہ میں ایک ایمان دار شخص کی نظر جلب منفعت پر نہیں بلکہ دفع مفاسد پر ہونی چاہیئے۔

اب ہم قارئین کی بصیرت و اسلامی معلومات کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ عصر حاضر میں رائج بیمہ پر بھی مختصر گفتگو ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو تمام حرام کاموں کے ارتکاب سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین۔

بیمہ کی تعریف

بیمہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو مستقبل میں جو خطرات درپیش ہوتے ہیں کوئی انسان یا ادارہ ضمانت لیتا ہے کہ فلاں قسم کے خطرات کے مالی اثرات کی میں تلافی کردوں گا۔اس کا آغاز چودھویں صدی عیسوی میں ہوا۔جن خطرات کے خلاف بیمہ کیا جاتا ہے، ان خطرات کے لحاظ سے بیمہ کی تین بڑی قسمیں ہیں:

۱۔سامان کا بیمہ (Goods Insurance):

اس کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ جو شخص کسی سامان کا بیمہ کرانا چاہتا ہے وہ معین شرح سے بیمہ کمپنی کو فیس ادا کرتا رہتا ہے جسے پریمیم (Premium) کہتے ہیں۔اس سامان کو حادثہ لاحق ہونے کی صورت میں کمپنی اس کی مالی تلافی کردیتی ہے۔اگر سامان کو کوئی حادثہ پیش نہ آئے تو بیمہ دار نے جو پریمیم (Premium) ادا کیا ہے وہ واپس نہیں ہوتا، البتہ حادثہ کی صورت میں بیمہ کی رقم بیمہ دار کو مل جاتی ہے جس سے وہ اپنے نقصان کی تلافی کرلیتا ہے۔اس میں جہاز کا بیمہ، گاڑی کا بیمہ، مکان کا بیمہ وغیرہ شامل ہے۔

۲۔ذمہ داری کا بیمہ:

جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی پر مستقبل میں کوئی ذمہ داری آسکتی ہے، اس ذمہ داری سے نمٹنے کے لئے بیمہ کرالیا جاتا ہے، مثلاً گاڑی چلانے پر حادثہ کے نتیجہ میں کسی دوسرے کا نقصان ہوجانے کا خطرہ ہے، اس صورت میں گاڑی چلانے والے پر مالی تاوان لازم ہوجائے گا، اس کا بیمہ کرالیا جاتا ہے اور حادثہ کے وقت تاوان کی ادائیگی بیمہ کمپنی کرتی ہے۔اس کو عموماً ''ثالثی بیمہ'' (Third Party Insurance) کہتے ہیں۔

۳۔زندگی کا بیمہ (Life Insurance):

اس کا مطلب یہ ہے کہ کمپنی بیمہ دار سے یہ معاہدہ کرتی ہے کہ اگر ایک مخصوص مدت میں بیمہ دار کا انتقال ہوگیا تو بیمہ کمپنی طئے شدہ رقم اس کے ورثہ کو ادا کر یگی۔اس کی کئی شکلیں ہوتی ہیں۔بعض صورتوں میں مدت مقرر ہوتی ہے،اس مدت میں انتقال ہوگیا تو بیمہ کی رقم ورثہ کو مل جائے گی۔اگر اس مدت میں انتقال نہیں ہوا تو مدت ختم ہونے سے بیمہ ختم ہوجاتا ہے اور رقم مع سود کے واپس مل جاتی ہے۔بعض صورتوں میں مدت مقرر نہیں ہوتی،جب بھی انتقال ہوگا تو بیمہ کی رقم ورثہ کو مل جاتی ہے۔

بیمہ کی طریق کار اور ہیئت ترکیبی کے اعتبار سے مزید تین قسمیں ہیں:

ا۔گروپ انشورنس(Group insurance):

حکومت کوئی ایسا طریقہ اختیار کرتی ہے جس میں افراد کے کسی مجموعہ کو اپنے کسی نقصان کی تلافی یا کسی فائدہ کے حصول کی سہولت حاصل ہوجاتی ہے،مثلاً سرکاری ملازمین کی تنخواہوں سے تھوڑی سی رقم ہر ماہ کاٹ کر اسے ایک فنڈ میں جمع کرلیا جاتا ہے،پھر ملازم کی وفات یا کسی حادثہ کی صورت میں بھاری رقمیں ورثہ کو یا خود ملازم کو ادا کی جاتی ہے۔یہ ایک سوشل کام ہے جو حکومت اپنے اہل وطن کے مستقبل کے حادثات میں بطور تعاون انجام دیتی ہے۔گویا یہ حکومت کی طرف سے تبرع وعطیہ ہے،کوئی معاوضہ کا عقد نہیں ہے۔اس سبب سے کسی بھی عالم کا اس کے جواز میں اختلاف نہیں ہے۔ **(دراسة شرعية ص ۴۷۷-۴۷۸)**

۲۔تعاونی بیمہ (Mutual Insurance):

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جن کے خطرات ایک ہی نوعیت کے ہوتے ہیں،وہ آپس میں مل کر ایک فنڈ بنالیتے ہیں اور یہ طئے کر لیتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو کوئی حادثہ پیش آیا تو اس

فنڈ سے اس کے نقصان کی تلافی کی جائے گی۔اس فنڈ میں صرف اس کے ممبران کی رقم ہوتی ہے اور نقصان کی تلافی بھی صرف ممبران کی حد تک ہوتی ہے۔سال کے بعد حساب کرلیا جاتا ہے۔ اگر ادا کئے گئے معاوضات فنڈ کی رقم سے بڑھ جائیں تو اسی حساب سے ممبران سے مزید رقم وصول کی جاتی ہے۔اگر فنڈ میں رقم بچ جائے تو ممبران کو واپس کردی جاتی ہے، یا ان کی طرف سے آئندہ سال کے لئے فنڈ میں حصہ کے طور پر رکھ دی جاتی ہے۔

ابتدا میں بیمہ کی یہی شکل رائج ہوئی تھی اور شرعاً اس میں کوئی قباحت واشکال نہیں۔ جتنے علماء نے بیمہ پر گفتگو کی ہے،سب اس کے جواز پر متفق ہیں۔

۳۔تجارتی بیمہ (Commercial Insurance):

اس کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ بیمہ کمپنی قائم کی جاتی ہے، اس کمپنی کا مقصد بیمہ کو بطور تجارت کے اختیار کرنا ہوتا ہے اور اس کا اصل مقصد بیمہ کے ذریعہ سے نفع کمانا ہوتا ہے۔ یہ کمپنی مختلف قسم کے بیمے کی اسکیمیں جاری کرتی ہے۔ جو بیمہ کرانا چاہتا ہے اس کے ساتھ بیمہ کمپنی کا معاہدہ ہوتا ہے کہ اتنی رقم کی اتنی قسطیں آپ ادا کریں گے اور نقصان کی صورت میں کمپنی آپ کے نقصان کی تلافی کرے گی۔ کمپنی قسطوں کا تعین کرنے کے لئے حساب کرلیتی ہے کہ جس خطرہ کے خلاف بیمہ ہوا ہے وہ کتنی بار متوقع ہے تاکہ ان کے معاوضات ادا کرکے کمپنی کو نفع بچ سکے۔ اس کے حساب کے لئے ایک مستقل فن ہے جس کے ماہر کو انگریزی میں (Actuary) کہتے ہیں۔

بیمہ کی اس قسم کا رواج زیادہ ہے اور اسی کا شرعی حکم علمائے معاصرین میں زیادہ محل بحث بنا ہے۔اس وقت عالم اسلام کے تقریباً تمام مشاہیر علماء کرام اس کی حرمت کے قائل ہیں۔

جمہور کا موقف یہ ہے کہ اس بیمہ میں قمار بھی ہے اور ربا بھی۔ قمار اس لئے کہ ایک طرف سے ادائیگی متعین ہے اور دوسری طرف سے ادائیگی موہوم ہے، جو قسطیں ادا کی گئیں ہیں وہ

تمام رقم ڈوب بھی سکتی ہے اوراس سے زیادہ بھی مل سکتی ہے، اسی کو قمار کہتے ہیں۔ اور ربا اس طرح سے کہ یہاں روپئے کا روپئے سے تبادلہ ہے اوراس میں تفاضل ہے کہ بیمہ دار کی طرف سے کم رقم دی جاتی ہے اوراسے زیادہ رقم ملتی ہے۔

تعاونی بیمہ جائز ہے

مجلس مجمع الفقہ الاسلامی (اسلامک فقہ اکیڈمی) جو رابطہ عالم اسلامی (مسلم ورلڈ لیگ) کا ایک ذیلی ادارہ ہے، اس نے سعودی عرب کے **"مجلس هيئة كبار العلماء"** (ممتاز علماء کونسل) کے قرارداد کی تائید وموافقت کی جو اس نے ۴/۴/ ۱۳۹۷ھ کو (اہ کے تحت پاس کی کہ تعاونی بیمہ درج ذیل دلائل کی بنیاد پر جائز ہے، جبکہ تجارتی بیمہ جائز نہیں ہے:

۱۔ تعاونی بیمہ خیراتی عقد میں سے ہے جس کا مقصد خطرات کے وقت صرف تعاون ہے اور حادثات کے اس بوجھ کے اٹھانے میں حصہ لینا ہے۔ اور وہ اس طرح سے کہ کچھ لوگ نقد روپئے دینے میں حصہ لے جو اس آدمی کو معاوضہ دینے کے لئے خاص کر دیا جائے جسے کسی قسم کا نقصان ہوتا ہے۔ گویا تعاونی بیمہ کرنے والی جماعت کا مقصد تجارت اور دوسرے کے مال سے نفع کمانا نہیں ہے، ان کا مقصد صرف خطرات کو آپس میں بانٹ لینا ہے۔ اور نقصان کی تلافی میں تعاون کرنا ہے۔

۲۔ تعاونی بیمہ سود کی قسموں (**رِبَا الْفَضْلِ، رِبَا النَّسِيئَةِ**) سے پاک ہے۔ اس لئے اس میں حصہ لینے والوں کا عقد سودی عقد نہیں ہے اور نہ یہ لوگ قسطوں میں جمع کیا ہوا روپیہ کو سودی کاروبار میں لگاتے ہیں۔

۳۔ تعاونی بیمہ میں حصہ لینے والوں کی طرف لوٹنے والے فائدہ کا متعین نہ ہونا، اس میں نقصان دہ نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ خیرات کرنے والے ہیں۔ اس وجہ سے نہ اس میں کوئی خطرہ

ہے اور نہ غرر ہے اور نہ ہی جوا ہے۔ بخلاف تجارتی بیمہ کے، کیونکہ اس میں تجارتی مال کے معاوضہ کا عقد ہوتا ہے۔

۴۔ اس میں شریک ہونے والی جماعت کا قسطوں میں جمع شدہ مال کو بڑھانا اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہے جس کے لئے یہ تعاونی بیمہ بنایا گیا ہے، خواہ یہ استثمار بطور خیرات ہو، یا خاص اجرت کے مقابلہ میں ہو۔

اس قرارداد پر دستخط کرنے والوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ **محمد علی الحرکان**، جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی، سعودی عرب

۲۔ **عبداللہ بن حمید**، صدر سپریم کورٹ، مملکت سعودی عرب۔

۳۔ **عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز**، صدر ادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد

۴۔ **محمد محمود الصواف**	ممبر
۵۔ **محمد بن عبداللہ السبیل**	ممبر
۶۔ **صالح بن عثیمین**	ممبر
۷۔ **محمد رشید قبانی**	ممبر
۸۔ **مصطفیٰ الزرقاء**	ممبر
۹۔ **محمد رشیدی**	ممبر
۱۰۔ **ابوبکر جومی**	ممبر
۱۱۔ **عبدالقدوس الہاشمی الندوی**	ممبر

(**دراسة شرعية** ص ۴۷۷-۶۰۶)۔

بیمہ کی قسموں کا ایک خاکہ

بیمہ کی دیگر بہت ساری قسمیں ہیں۔قارئین کے استفادہ کے لئے ہم بیموں کا ایک مختصر نقشہ پیش کرر ہے ہیں:

بیمہ

پہلی تقسیم باعتبار شکل

تجارتی بیمہ تعاونی بیمہ اجتماعی بیمہ

دوسری تقسیم باعتبار خطرات

نقصانات کا بیمہ ذمہ داری کا بیمہ

جلنے کا بیمہ ڈوبنے کا بیمہ چوری کا بیمہ

ان کے علاوہ بیمہ کی اور بہت سی قسمیں ہیں

جسم میں لگنے والی چوٹ کا بیمہ بیماری کا بیمہ شادی واولاد کا بیمہ

زندگی کا بیمہ

حالت وفات کا بیمہ حالت بقاء کا بیمہ حالت وفات و بقاء دونوں کا بیمہ

زندگی بھر کے لئے بیمہ خاص عمر تک کے لئے بیمہ بقیہ زندگی کے لئے بیمہ

بیمہ کا متبادل

یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ تجارتی بیمہ جائز نہیں ہے خواہ اس کی کوئی بھی صورت ہو، اب اس کا متبادل کیا ہو؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ بیمہ کا متبادل ایک تو تعاونی بیمہ ہے جسے انگریزی میں(Mutual Insurance) کہتے ہیں۔ جس میں شرکاء اپنی اپنی مرضی سے فنڈ میں رقمیں جمع کراتے ہیں اور سال کے دوران جن جن لوگوں کو کوئی نقصان پہنچا، اس فنڈ سے ان کی امداد کرتے ہیں۔ پھر سال کے ختم پر جو رقم بچ جائے اسے شرکاء کو بحصہ رسدی واپس کر دی جاتی ہے، یا ان کی طرف سے آئندہ سال کے فنڈ میں بطور چندہ دوبارہ رکھ دی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اب عالم اسلام کے کئی ملکوں میں **"شَرِکَاتُ التَّکَافُلِ"** کے نام سے کچھ کمپنیاں قائم ہوئی ہیں، جنہیں تجارتی بیمے کے متبادل کے طور پر قائم کیا گیا ہے۔ ان کا بنیادی تصور یہ ہے کہ ہر بیمہ دار کمپنی کا شیئر ہولڈر ہوتا ہے۔ کمپنی اپنا سرمایہ نفع بخش کاموں میں لگا کر اس کا نفع اپنے شیئر ہولڈرز میں تقسیم بھی کرتی ہے اور کمپنی ہی کے ایک ریزرو فنڈ (Reserve Fund) سے بیمہ داروں کے نقصانات کی تلافی بھی کرتی ہے۔ (مزید تفصیل حاصل نہیں ہوسکی)۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور سارے مسلمان بھائیوں کو حرام چیزوں سے اجتناب کرنے اوران سے دور رہنے کی توفیق عطا کرے۔ ہمارے اندر حرام چیزوں خاص طور سے بینک کے سود سے بچنے کا حوصلہ پیدا کرے، آمین۔

وَالحَمدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ . وَصَلَّى اللّٰهُ وَسلَّمَ عَلىٰ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلىٰ آلِهِ وَصَحبِهِ وَمَن تَبِعَهُم بِإحسَانٍ إلىٰ يَومِ الدِّينِ .

کتبہ/ آپ کی دعاؤں کا محتاج

مشتاق احمد کریمی

بروز جمعہ ۲۲/۳/ ۱۹۹۷ء، مدینہ منورہ — صدر الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار

فہرست مراجع ومصادر

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف کا نام	مطبوعہ
۱۔	المعاملات المصرفية والربوية وعلاجها في الإسلام	ڈاکٹر نورالدین عتر	الرسالۃ بیروت ۱۹۷۸ء
۲۔	دراسة شرعية لاهم العقود المالية المستحدثة	ڈاکٹر محمد امین مصطفیٰ شنقیطی	مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ ۱۹۹۲ء
۳۔	فوائد البنوك هي الربا الحرام	ڈاکٹر یوسف القرضاوی	الرسالۃ، بیروت ۱۹۹۳ء
۴۔	بنوك تجارية بدون ربا	ڈاکٹر محمد عبداللہ ابراہیم الشبانی	دار عالم الکتب، ریاض ۱۹۸۷ء
۵۔	البنوك الإسلامية بين النظرية والتطبيق	ڈاکٹر عبداللہ بن محمد الطیار	دار الوطن، ریاض ۱۹۹۴ء
۶۔	ابحاث المؤتمر الثاني للمصرف الإسلامي،	ڈاکٹر سلیمان الاشقر	الکویت ۲۱-۲۳ مارچ ۱۹۸۳ء
۷۔	مسئلہ سود	مولانا مفتی محمد شفیع	ادارۃ المعارف کراچی ۱۹۷۹ء
۸۔	سود	سید ابوالاعلیٰ مودودی	مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۹۳ء
۹۔	اسلام اور جدید معیشت وتجارت	جسٹس محمد تقی عثمانی	ادارۃ المعارف کراچی ۱۹۹۵ء
۱۰۔	المعاملات المصرفية وموقف الشريعة الإسلامية منها	سعود بن سعد بن دریب	الریاض ۱۹۶۸ء پہلا ایڈیشن عکسی الجامعۃ الإسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ

۱۱۔	موقف الشریعة من المصارف الإسلامیة المعاصرة	ڈاکٹرعبداللہ العبادی، ڈاکٹریٹ تھیس ازہر یونیورسٹی	دار السلام للطباعة والنشر دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۴ء
۱۲۔	البنوک الإسلامیة اصولھا الاداریة والمحاسبیة	محمد ہشام جبر، جامعة النجاح الوطنیة، وڈاکٹر نضال صبری جامعہ بیرزیت	نابلس جامعة النجاح ۱۹۸۶ء پہلا ایڈیشن
۱۳۔	التدابیر الواقعیة من الربا فی الإسلام	ڈاکٹر فضل الٰہی ، استاذ جامعة الإمام محمد، ریاض	ادارہ ترجمان الإسلام گوجرانوالہ پاکستان، پہلا ایڈیشن ۱۹۸۸ء
۱۴۔	المعاملات المالیة المعاصرة فی الفقه الإسلامی	ڈاکٹر محمد عثمان شبیر	دارالنفائس، الاردن ۱۹۹۶ء
۱۵۔	تطویر الاعمال المصرفیة بما یتفق الشریعة الإسلامیة	ڈاکٹر سامی حسن احمد حمود	دار الإتحاد العربی ، پہلا ایڈیشن ۱۹۷۶ء
۱۶۔	الجامع فی اصول الربا	ڈاکٹر رفیق یونس مصری	دارالقلم دمشق ۱۹۹۱ء پہلا ایڈیشن
۱۷۔	الربا واثره علی المجتمع الإنسانی	ڈاکٹر عمر بن سلیمان الاشقر	مطبوعہ الکویت
۱۸۔	الربا: اضراره وآثاره فی ضوء الکتاب والسنة	ڈاکٹر سعید بن علی بن وہف القحطانی	مکتبة الرشد بالریاض دوسرا اڈیشن ۱۴۲۰ھ
۱۹۔	مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح	علامہ ملا علی قاری	داراحیاء التراث العربی، بیروت

۲۰۔	نیل الاوطار	علامہ محمد بن علی شوکانی	دارالتراث، قاہرہ
۲۱۔	تحفة الاحوذی شرح سنن الترمذی	علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری	دارالفکر للطباعة والنشر
۲۲۔	سبل السلام شرح بلوغ المرام	علامہ محمد بن اسماعیل امیر صنعانی	دار الکتب العلمیة بیروت پہلا ایڈیشن ۱۹۸۸ء
۲۳۔	فتح الباری شرح صحیح البخاری	حافظ ابن حجر العسقلانی	دارالفکر للطباعة والنشر
۲۴۔	عون المعبود شرح سنن ابی داؤد	علامہ شمس الحق عظیم آبادی ڈیانوی	دارالفکر، تیسرا اڈیشن ۱۹۷۹ء

وبنعمته تتم الصالحات . والحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الامين ، محمد وعلى آله وصحبه اجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

مولف کا پتہ: ۱۔مشتاق احمد کریمی، صدر الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار-۸۵۴۱۰۵
۲۔کریمی منزل بدھو چک، (آفیسرز کالونی)، ضلع کٹیہار۔ ۸۵۴۱۰۵، بہار۔
تلیفون منزل: ۰۶۴۵۲/۲۵۸۹۶
۳۔سعودی عرب میں: مشتاق احمد کریمی، پوسٹ بکس نمبر ۲۹۴۶۵، ریاض، سعودی عرب
موبائل نمبر: ۰۰۹۶۶/۵۰۸۰۶۳۰۱۸، ٹیلیفون آفس: ۰۰۹۶۶/۴۴۵۴۹۰۰